THE
SENATE OF PAKISTAN
DEBATES

OFFICIAL REPORT

Wednesday, June 09, 2010
(62nd Session)
Volume VI No.05
(Nos.1-12)

CONTENTS

Pages

1. Recitation from the Holy Quran…………………..…………. 1
2. Leave of Absence………………………………...…...…… 1
3. Further Discussion on the Finance Bill, 2010........................ 2-52

Printed and Published by the Senate Secretariat, Islamabad.

Volume VI	**SP. VI(05)/2010**
No.05	130

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Wednesday, June 09, 2010

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad at fifty five minutes past four in the evening with Mr. Chairman (Mr. Farooq Hamid Naek) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

اَعُوْذُبِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ ٱللهِ ٱلرَّحْمٰنِ ٱلرَّحِيْمِ۔

مَّا يَفْتَحِ ٱللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ۔ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَـٰلِقٍ غَيْرُ ٱللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ ۚ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ۔ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى ٱللَّهِ تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ۔ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ۔

ترجمہ: اللہ انسانوں کے لئے جو رحمت (کا دروازہ) کھول دے تو کوئی اس کو بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں ہے۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ لوگو اللہ کے جو تم پر احسانات ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق (اور رازق) ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بھکے پھرتے ہو۔ اور (اے پیغمبر) اگر یہ لوگ تم کو جھٹلائیں تو تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے گئے ہیں۔ اور (سب) کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ (شیطان) فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔

(سورۃ فاطر: آیات 2 تا 5)

Leave of Absence

جناب چیئرمین: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ leave applications

ڈاکٹر خالد محمود سومرو صاحب ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ ۳ تا ۷ جون اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے تھے، اس لیے انہوں نے ان تاریخوں کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: مولانا عبدالغفور حیدری صاحب ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ ۵ جون کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے تھے، اس لیے انہوں نے اس تاریخ کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے، کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: جناب ہمایوں خان صاحب نے ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ ۸ اور ۹ جون کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے، کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: جناب عبدالنبی بنگش صاحب نے ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ ۸ تا ۱۱ جون کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے، کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: جناب محمد کاظم خان صاحب نے ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ ۹ تا ۱۱ جون کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے، کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

Further Discussion on the Finance Bill, 2010

Mr. Chairman: We may now resume consideration of the following motion moved by Dr. Abdul Hafeez Shaikh, Minister for Finance, Revenue, Planning and Development, Economic Affairs and Statistics, on 5th June, 2010:−

"That the Senate may make recommendations to the National Assembly on the Finance Bill, 2010,

containing the Annual Budget Statement, under Article 73 of the Constitution."

I now give the floor to Mr. Babar Ghauri to speak on the motion.

سینیٹر بابر خان غوری: بہت شکریہ جناب چیئرمین۔

شکوہ ظلمتوں سے تو کہیں بہتر ہے
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جائیں

جناب والا! ہر سال اس ایوان میں بجٹ پر بحث ہوتی ہے۔ بحیثیت عوامی نمائندے، ہمارے جو کام ہیں، ان میں بنیادی ذمہ داری ہماری یہ بنتی ہے کہ ہم عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی کام کریں۔ اگر کوئی کام ایسا ہو رہا ہے جہاں ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عوام کی بہتری کے لیے نہیں ہے تو اس پر ہم آواز اٹھائیں، کوشش کریں کہ اس کی اصلاح ہو اور اس کام کو روکا جائے۔ جناب والا! حفیظ شیخ صاحب نے قومی اسمبلی میں جو بجٹ تقریر کی، میں سمجھتا ہوں کہ فنانس کے حوالے سے اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں بہت تجربہ ہے، ان کی قابلیت کو دنیا کے کئی بڑے ادارے بھی مانتے ہیں۔ پاکستان کا بجٹ بنانا اتنا آسان نہیں ہے، اس میں بہت سی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی بھی عوامی نمائندہ یا کوئی بھی عوامی جماعت عوام دشمن بجٹ بنائے۔ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ کہیں نہ کہیں عوام سے بے وفائی نظر آئے، ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اس کو وفا کی طرف لے کر آئیں۔

جناب والا! حفیظ شیخ صاحب کے جو تجربات ہیں، جو ان کی قابلیت ہے اس لحاظ سے انہوں نے اپنی بہتر کوشش کی ہو گی لیکن بہت سی ایسی کوششیں ہوتی ہیں کہ اگر وہ مشورے سے کی جائیں، اگر اعتماد میں لیا جائے تو اس میں مزید بہتری آ سکتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ بجٹ کو کم از کم ساٹھ دن پہلے یا نوے دن پہلے، اتنا نہیں تو کم از تیس دن پہلے table کیا جائے۔ اپوزیشن کو بھی اعتماد میں لیا جائے، وہ بھی عوامی نمائندے ہیں، وہ بھی پاکستان کے مسائل کو سمجھتے ہیں اور جو حکومت میں حلیف جماعتیں بیٹھی ہوتی ہیں، جو coalition حکومت ہوتی ہے ان کی زیادہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ آپس میں صلاح مشورے کریں اور ان مشوروں کے بعد ایک بہتر حل نکالیں جس میں سب کی آراء شامل ہوں اور اس کے مطابق بجٹ بنے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہمیشہ بجٹ میں جو majority کی جھلک، عکس نظر آتا ہے وہ ان سرکاری افسران کا ہوتا ہے جو وزارت خزانہ میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ جن کو یہ تو فکر ہوتی ہے کہ ہمیں

اپنے نمبرز پورے کرنے ہیں، انہیں عوام میں نہیں جانا ہوتا، عوام کو اپنے چہرے نہیں دکھانے ہوتے، عوام کو جوابدہ نہیں ہونا ہوتا۔ وہ بڑی آسانی سے ایسے ٹیکس بھی لگا دیتے ہیں، بہت سی چیزوں سے نظریں بھی چرالیتے ہیں جو ان کو نہیں چرانی چاہیے، جو عوام کی بہتری کے لیے نہیں ہوتیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بحیثیت عوامی نمائندے، چاہے وہ اپوزیشن میں بیٹھے ہوں، چاہے وہ حکومت میں بیٹھے ہوں، سب کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے حلقے میں جائیں، عوام میں جائیں، انہیں کہیں وہ face کریں تو انہیں سبکی نہ ہو، شرمندگی نہ ہو، کوئی ایسی بات نہ ہو جو کو وہ face نہ کر سکیں۔ سینیٹ میں جو طریقہ کار ہے اس میں ہماری فنانس کمیٹی بیٹھی ہوئی ہے، ہر پارٹی نے، ہر ممبر نے اپنی recommendations اس کمیٹی میں جمع کروائی ہیں۔ کمیٹی ان recommendations کو final کر کے قومی اسمبلی میں بھیجے گی۔ ماضی کے تلخ تجربات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہے کہ ان recommendations پر کوئی کام نہیں ہوتا، ان کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ مجھے امید ہے کہ شاید اس دفعہ قومی اسمبلی ان recommendations کو اہمیت دے۔ ہمارے سینیٹرز بڑی محنت سے بناتے ہیں، ان کو وہ منظور کرلیں اور وہ تجاویز بجٹ کا حصہ بنالیں۔

جناب والا! وزیر خزانہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ یہ سفر بحالی کا ہے۔ یعنی معیشت تباہی کی طرف جا رہی تھی، جو economic crunch آیا ہوا تھا، جس سے پاکستان بھی affect ہوا اور اب اس میں بہتری آرہی ہے اور ہم اس سفر کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ جناب والا! اگر بحالی کا سفر ہے اور سفر میں ہمیں آگے بڑھنا ہے اور اگر VAT کا bombshell آجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اتنا بڑا گڑھا ہوگا، سفر تو بہت دور کی بات ہے ہم ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ جناب والا! بڑی آسانی سے اگر ہم اس VAT کا نام بدل دیں اور اس کو GST reforms کے نام سے بات کریں، یا کوئی بھی بات کریں، اس میں کتنا فرق آئے گا۔ اس Value Added Tax میں کتنا فرق پڑے گا۔ دس بلین، بیس بلین، تیس بلین، آپ یہ دیکھیے کہ جوانہوں نے بجٹ تقریر کی ہے اس کا points 36, 37 ہے، صفحہ 12 and 13 میں، وہاں پر وہ کہتے ہیں کہ پی آئی اے، پی سی پی، پاسکو، این ایچ اے، ریلوے، سٹیل مل یہ وہ ادارے ہیں جو خود 245 ارب تو یہ چار ادارے، اگر اس میں سٹیل مل اور دیگر اداروں کو شامل کرلیا جائے تو 280 ارب روپے ہر سال ضائع ہو رہے ہیں۔ قوم کا خزانہ، قوم کی کمائی ہوئی دولت صرف ان اداروں کی بدانتظامی کی وجہ سے، تباہی کی وجہ سے ان اداروں میں خرچ ہو رہی ہے اور اس کا کوئی out come نہیں ہے۔ اس کو recover کرنے کے لیے ہم ایسی چیزوں پر جا رہے ہیں، ان ٹیکسوں کو بڑھا

رہے ہیں، جس میں یہ صرف ادارے نہیں بلکہ ان اداروں کی وجہ سے پاکستان کے سولہ کروڑ عوام مسائل کا شکار ہو جائے گی۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم ان اداروں سے جان چھڑائیں، ان کی privatization کریں، ان کی نجکاری کی طرف جائیں۔ پی آئی اے ایک ایسا ادارہ ہے جس کو سفید ہاتھی کہاجائے، ریلوے، اسٹیل مل ان اداروں کے نام خود وزیر خزانہ صاحب نے لیے ہیں۔ یہ ادارے اگر privatize ہو جائیں اور ان سے leakages بند ہو جائیں تو 280 ارب روپے آپ کے save ہو جائیں گے۔ آپ کو ٹیکس لگانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ یہ انتظامی مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے ہم مخالفت کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے اس طرح کے مسائل کو حل کرنا ہے تو بیٹھ کر discuss کرلیں، اپوزیشن on board ہو، آپ کی حلیف جماعتیں on board ہوں وہ discuss کر کے ان مسائل کا حل نکالیں۔ سب چاہتے ہیں کہ عوام کو ریلیف ملے۔ عوام کی بہتری کے لیے جائیں، عوام کو فائدہ ہو، پہلے ہی ہم مہنگائی کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں، پہلے ہی وہ power crises face کر رہے ہیں، پہلے ہی بے روزگاری کو face کر رہے ہیں اس مہنگائی کو face کرتے کرتے اگر مزید مہنگائی ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ مناسب نہیں ہوگا۔ انہوں نے بڑی محنت کی ہے، ہم ان کو support کرتے ہیں۔

انہوں نے ایک اچھی بات یہ بھی کہی کہ ہم غیر ترقیاتی اخراجات یا ترقیاتی اخراجات اس limit میں کریں جو ہماری چادر ہے۔ یہ اچھی بات ہے کہ ہم original numbers پر جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم ایسے ٹیکس لگا دیں جس سے ہر آدمی متاثر ہو، آپ پر اگر آئی ایم ایف کا اتنا بڑا pressure ہے، پہلی بات تو یہ کہ ہمیں آئی ایم ایف سے جان چھڑانی چاہیے لیکن اگر ہم اس کے چنگل میں پھنس ہی گئے ہیں تو ہمیں یہ تو نہیں کہہ رہے ہیں کہ VAT لگا دیں، سیلز ٹیکس بڑھا دیں، فلاں ٹیکس لگا دیں، وہ تو کہتے ہیں کہ اپنی انکم کو improve کریں۔ اگر آپ نے اپنی انکم بڑھانی ہے تو زراعت پر، میں عام آدمی کی بات نہیں کر رہا، اس کو بڑے بڑے جاگیر دار، وڈیرے divert کر دیتے ہیں، کہ عام کسان متاثر ہوتا ہے، عام کسان کی بات نہیں کر رہا، عام زراعت کی بات نہیں کر رہا، انکم کی بات کر رہا ہوں جو کروڑوں روپے کی انکم ہوتی ہے، support price سے اربوں روپے تقسیم ہوئے اس سے عام آدمی کو کیا ملا۔ دو چار پانچ ارب روپے عام چھوٹے زمیندار کے پاس گئے ہوں گے باقی اسی ارب روپے کہاں چلے گئے۔ اربوں روپے پر جو ٹیکس لگتا ہے، جس کا ٹیکس آٹھ سے دس ارب روپے بنتا ہے، یا بیس ارب روپے بنتے ہیں، آپ ان کو لیں، ان آدمیوں کو پکڑیں، جنہوں نے اسلام آباد میں کوٹھی بنائی ہے، ایک لاہور میں بنی ہے، ایک جدھر زمین ہے ادھر بھی کوٹھی ہے۔ دبئی، لندن میں بھی بنگلے بنالیتے ہیں۔ ان پر ٹیکس لگائیں،

عام آدمی پر ٹیکس لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ عام آدمی کو ریلیف دینا ہے اور تمام اراکین کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم عوام کی ریلیف کے لیے کام کریں۔ ہم تنقید برائے تنقید کی بات نہیں کر رہے، ہم تنقید برائے تعمیر کی بات کر رہے ہیں، تنقید کا مطلب یہ نہیں کہ ہم مخالفت کر رہے ہیں۔ ہم تو حصہ بننا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مل کر کام کریں، ہم مل کر اس بجٹ کو آگے لے جانا چاہتے ہیں۔ متحدہ قومی موومنٹ نے اس بجٹ کے آنے سے ڈیڑھ مہینے پہلے وزیر اعظم صاحب سے ملاقات کی اور اپنی تجاویز دیں۔ اس کے بعد کوئی میٹنگ ہی نہیں ہوئی، کوئی بات ہی نہیں ہوئی، اگر ہم مل کر بیٹھتے تو ہو سکتا ہے کوئی بہتر تجاویز آتی۔ اس لیے کہتے ہیں کہ ایک اور ایک دو نہیں ہوتے، گیارہ ہوتے ہیں۔ اگر اس بجٹ میں ہر ایک کی تجاویز شامل ہوتی تو شاید ہمارے جے یو آئی کے سینیٹرز کو کیبنٹ سے واک آؤٹ نہ کرنا پڑتا کیونکہ وہ پہلے on board ہوتے یہ اچھا message نہیں گیا۔ ہمیں مل کر چلنا چاہیے، مل کر کام کرنا چاہیے، اچانک آپ نے دیکھا، ہمیں اچھا نہیں لگتا کہ ہم حکومتی بنچوں پر بیٹھیں اور واک آؤٹ بھی کریں۔ ایک دھماکہ ہوا رات میں کہ کے ای ایس سی میں پانچ روپے فی یونٹ بڑھا دیئے گئے۔ عام آدمی تو ہمارا گریبان پکڑے گا۔ جب ہم علاقے میں جائیں گے تو لوگ ہمیں پوچھیں گے کہ کیا ہوا؟ اس کا جواب کون دے گا۔ یہ ہماری مجبوری ہوتی ہے۔ اراکین کی مجبوری ہوتی ہے کہ انہوں نے عوامی مسائل پر بات کرنی ہے اور کرنی چاہیے۔ آج بلوچستان کے ساحلی علاقوں کی جو صورتحال ہے ہم سب کی ڈیوٹی ہے کہ ہم ان لوگوں کو ریلیف دلائیں، یہ تنقید نہیں ہوتی، یہ تعمیری چیزیں ہوتی ہیں۔

جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ یہ ادارے جن کی وجہ سے قوم کو 280 ارب روپے کا نقصان ہو رہا ہے، یہ قومی خزانے پر بوجھ ہے، جتنی جلدی ہو سکے ان سے جان چھڑائی جائے، ان کی نجکاری کی جائے اور ان اداروں کو پرائیویٹ ادارے چلائیں تاکہ خزانے پر سے بوجھ کم ہو سکے، ہم کوئی تعمیری کام کر سکیں۔ جناب والا! آپ کے علم میں ہوگا کہ ابھی دو جون کو سویٹزرلینڈ کے ایک ادارے نے ایک رپورٹ شائع کی جس میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کی نصف آبادی اس وقت غذائی قلت کا شکار ہے۔ almost 48.6% آدھی آبادی ہے، غذائی قلت سے مراد یہ ہے کہ آدھے لوگ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھا رہے۔ جہاں پر یہ پوزیشن ہو جائے، جہاں پر دس فیصد گندم کی demand کم ہو جائے، یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی سکت نہیں رہی کہ وہ آٹا خرید سکیں۔ جناب والا! ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے، ہمیں آپس میں بیٹھ کر ان مسائل کا حل نکالنا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے ہم تو پیٹ بھر کر کھانا کھا کر سو جائیں لیکن عوام بھوکی سو رہی ہے اور پیٹ نہیں بھر رہی تو میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب کی ذمہ

داری بنتی ہے کہ ہم فوری طور پر بیٹھیں۔ یہ ذمہ داری ہمیشہ بڑے partner کو ہوتی ہے، جو بڑے partner ہیں ان کا کام ہے کہ وہ سب کو لے کر بیٹھیں، اپوزیشن کو بھی لے کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ آخر مسئلہ کہاں ہے اور ہم اس کو مل کر کس طرح حل کر سکتے ہیں۔ اگر مل کر حل کریں گے تو بجٹ کے لیے ایک مہینے کا اجلاس بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بجٹ کو تو تین دن میں پاس ہو جانا چاہیے کیونکہ پہلے سے سب لوگ on board ہونگے۔ پہلے سے ان کو پتا ہوگا کہ بجٹ میں کیا آرہا ہے، پہلے سے ان کو پتا ہو کہ ہماری تجاویز آچکی ہیں، ان کو پہلے سے پتا ہوگا کہ ہماری income سو روپے ہے اور ہمیں سو روپے ہی خرچ کرنے ہیں، ایک سو دس روپے خرچ نہیں کرنے۔ لہٰذا وہ ایسی تجاویز نہ دیں کیونکہ کوئی بھی common sense سے عاری نہیں ہے کہ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ پاکستان کی اس وقت مالی حالت کیا ہے۔ ظاہر ہے ہم اسی کے مطابق بجٹ بنائیں گے۔ میں بار بار اس چیز پر زور دے رہا ہوں کہ بہت ضروری ہے کہ ہم آپس میں اس کو discuss کریں۔

آپ نے دیکھا کہ ابھی یہاں پر ہماری demands پیش ہوئیں، recommendations پیش ہوئیں، اس میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ جو GST کو 16% سے 17% کر دیا گیا ہے۔ جب بحالی کا سفر کرنا ہوتا ہے تو سفر میں سہولتیں ملتی ہیں۔ آپ پوری دنیا میں دیکھیں، آپ امریکہ میں دیکھیں، بڑی بڑی airlines کو، banks کو اربوں ڈالر کی امداد دی گئی۔ ان کو loan نہیں دیا گیا بلکہ ان کو grant دی گئی تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں اور وہ اس لیے کیا کہ ان میں کام کرنے والے لوگ کہیں بے روزگار نہ ہو جائیں۔ اس کا معیشت پر برا اثر نہ پڑے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت support کرتی ہے۔ اگر ہم ان پر مزید tax لگا دیں گے تو سفر کا آغاز کہاں سے کریں گے؟ وہ تو چلنے سے پہلے ہی بیٹھ جائیں گے۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ اس GST کو 16% سے 17% کرنے کی بجائے 15% کر دیا جائے تاکہ اس سے جو اضافی بوجھ لوگوں پر پڑ رہا ہے وہ کم ہو سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ Rs.5,000,000/- کے business turn over پر جو GST ہے اس کو ہم Rs.7,500,000/- کر رہے ہیں۔ ہم نے اس میں یہ تجویز دی ہے کہ اس کو ایک کروڑ کر دیں تاکہ جو چھوٹے businessmen کا turn over ہے وہ اس tax کی زد میں نہ آئے اور عام آدمی کو فائدہ ہو۔

اسی طرح VAT کا میں نے آپ کو بتایا کہ ہم اس کو oppose کر رہے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اس issue پر IMF سے بھی بات کی جائے گی۔ اس کی جگہ دوسرے avenues تلاش

کیے جائیں گے جس میں taxes لگا دیں۔ جو بڑے ادارے ہیں ان کو ہنگامی طور پر privatize کر کے وہ پیسا یہاں divert کر دیا جائے تو پھر VAT کی ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔

اس کے ساتھ ساتھ جو ابھی 50% تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ ہمارے کچھ ساتھی اس کو شاید criticize کر رہے ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں تو اس میں 100% اضافہ کرنا چاہیے تھا۔ ان سرکاری ملازمین کے گھر کیسے چلیں گے؟ آپ ایک طرف تو ان کو غلط کاموں سے روکتے ہیں اور اگر ان کو غلط کاموں سے روکنا ہے تو ان کو اچھی تنخواہیں دیں تاکہ وہ خود بخود غلط کاموں کی طرف نہ جائیں۔ لہٰذا اسی وجہ سے ہم نے بھی 50% اضافے کی منظوری دی کیونکہ پاکستان کے پاس وسائل نہیں اور اگر وسائل ہوتے تو 100% اضافہ ہوتا اور اگر ہوئے تو انشاء اللہ 100% اضافہ ہو گا لیکن 50% بھی میں سمجھتا ہوں کہ اتنا زیادہ نہیں ہے کہ اس کو criticize کیا جائے۔ یہ 50% اضافہ مناسب ہے اور اگر کبھی حکومت کو کہیں اور سے آمدنی ہوتی ہے تو سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں مزید اضافہ ہونا چاہیے کیونکہ انہی کی وجہ سے پورا ملک چل رہا ہوتا ہے۔ یہ اپنی پوری زندگی لگا دیتے ہیں۔ ان کا کوئی اور آمدنی کا ذریعہ نہیں ہوتا۔ اگر چند لوگ غلط کاموں میں ملوث ہوتے ہیں تو اس سے عام آدمی متاثر ہوتا ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ ان کی تنخواہوں میں اضافہ صحیح ہوا ہے۔

پھر یہ جو کم سے کم تنخواہ ہے جس کو -/Rs.6000 سے -/Rs.7000 کیا گیا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں مزید اضافہ ہونا چاہیے اور اس کو -/Rs.10000 ہونا چاہیے۔ شوکت عزیز صاحب کے زمانے میں ہمیں یہ کہا گیا تھا کہ یہ جو بینکوں کی transaction ہوتی ہے، جب cash withdraw کیا جاتا ہے تو 0.25% پیسے دینے پڑتے ہیں۔ یہ دنیا میں کہیں نہیں ہوتا لیکن اس وقت یہ اس لیے accept کیا گیا تھا کیونکہ اس وقت یہ جواز دیا گیا تھا کہ documentation ہونی چاہیے، اس سے ہم لوگوں کو discipline میں لا رہے ہیں۔ آپ چاہ رہے ہیں کہ لوگوں کی documentation ہو۔ آپ چاہ رہے ہیں وہ pay order بنائیں، cheque سے payment کریں۔ اس مرتبہ تو آپ pay order, cheque and demand draft پر بھی 0.3% لگا رہے ہیں۔ اس کے لیے ہم نے کہا ہے کہ اس کو فوری طور پر واپس لیا جائے اور جو originally 0.25 تھا اسی کو رکھا جائے تاکہ عوام پر مزید taxes کا بوجھ نہ پڑے کیونکہ عام آدمی بھی اس سے متاثر ہو گا۔

اس کے ساتھ ساتھ گیس پر جو 5% سے 10% tax لگایا گیا ہے اس کو بھی واپس لیا جائے تاکہ عوام پر اس کا اثر نہ پڑے۔ پھر تعلیم کے بجٹ کو کم کیا گیا ہے۔ وہ مناسب نہیں ہے کیونکہ ہمارے ہاں جس طرح انتہا پسندی بڑھ رہی ہے، جس کے لیے ہم اربوں روپے خرچ کر رہے ہیں، اس کی بجائے اگر ہم یہ پیسا تعلیم پر خرچ کریں تو اس سے لوگوں میں ذہنی شعور بیدار ہو گا۔ جب وہ تعلیم یافتہ ہوں گے تو وہ خود بخود اس چیز سے educate ہوں گے اور ان انتہا پسندوں سے بچیں گے۔ لہذا تعلیم کا بجٹ جو کہ Rs.34,500 million ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کو Rs.70,000 million ہونا چاہیے۔ اس پر بھی ہم نے اپنی recommendation دی ہے۔

پھر آپ یہ دیکھیے کہ کل جو ECC کی meeting ہوئی۔ میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں ECC کے ممبران کو، خصوصی طور پر بابر اعوان صاحب کو، کہ انہوں نے چینی کی import پر sales tax بڑھانے کی اور duty بڑھانے کی جو کوشش تھی، اس کو روکا اور یہ ہماری چینی مافیا کا کام ہے، معذرت کے ساتھ ہماری اس پارلیمنٹ میں کچھ لوگ موجود ہیں جو اس چینی مافیا کے لیے lobbying کر رہے تھے کہ چینی کی import رک جائے تاکہ ان کا منافع جو ان کو اپنی فیکٹریوں سے مل رہا ہے، وہ اور بڑھ جائے۔ ابھی انہوں نے اربوں روپے منافع کمایا ہے۔ یہ جو ابھی چینی کا بحران آیا ہے اور اس میں جو gap آیا، اس میں انہوں نے اربوں روپے منافع کمایا ہے۔ اب وہ یہ چاہ رہے تھے کہ مزید کمائیں۔ دنیا میں چینی سستی ہو رہی ہے۔ اس وقت تو انہوں نے کہا تھا کہ دنیا میں مہنگی ہو رہی ہے تو یہاں بھی مہنگی کر دی۔ اب دنیا میں سستی ہو رہی ہے تو آپ بھی سستی کریں۔ آپ اس پر tax لگوا کر اپنی فیکٹریاں چلا رہے ہیں عوام کے خون پر، اس کی اجازت نہیں ہو گی۔ میں سلام پیش کرتا ہوں ECC کو جنہوں نے اتنا اچھا فیصلہ کیا اور خصوصی طور پر بابر اعوان صاحب کو، کہ وہ ڈٹ گئے اور یہ نہیں ہونے دیا۔ اس کی وجہ سے کم از کم یہ جو چینی مزید مہنگی ہونے جا رہی تھی، وہ بحران ٹل گیا اور ایک بہت بڑا scandal رک گیا۔ ورنہ ہم سب کو اس کا جواب دینا پڑتا۔

جناب چیئرمین! آخر میں، میری یہی گزارش ہے کہ جو بہتر سے بہتر کوشش تھی ہمارے وزیر خزانہ صاحب کی، انہوں نے کی۔ جو ہماری تجاویز ہیں، ان کو تنقید برائے تعمیر سمجھا جائے اور اگر وہ پہلے ہم سب کو اعتماد میں لے لیتے تو ہمیں اس setting کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم اس بجٹ کو بڑی آسانی سے pass کرتے لیکن اب اپنی اپنی رائے دے رہے ہیں اور اگر ان issues کو پہلے

کرلیتے resolve تو آج یہ صورتحال نہ ہوتی اور ہمیں یہ تقاریر نہ کرنی پڑتیں۔ ان کی اسی بات پر کہ انہوں نے ہم کو اعتماد میں نہیں لیا اپنی تقریر اس شعر پر ختم کرتا ہوں:

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

بہت بہت شکریہ۔

سینیٹر جان محمد خان جمالی: جناب چیئرمین! مجھے decorum کا احساس ہے لیکن آپ نے اس دن ruling دی تھی کہ جو cyclone اور طوفانی بارشیں ہوئی ہیں گوادر میں، سارے coastal area میں، ٹھٹھہ کے علاقے میں، وہ رپورٹ پیش کرنی تھی کہ کیا relief operations ہو رہے ہیں کتنے اخرجات ہو چکے ہیں کتنے لوگوں کو rehabilitate کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں treasury benches سے اعتماد میں لینے کے لیے کوئی نہیں آیا ہے۔ اس پر الگ ایک brief ہونا چاہیے۔

جناب چیئرمین: اچھا بابر غوری صاحب! آپ کیا کہتے ہیں؟

سینیٹر بابر خان غوری: یہ بہت اچھا point تھا یہ کل میرے پاس disaster management cell نے جو report بھیجی ہے۔ ویسے مجھے افسوس بھی ہوا ہے کہ انہوں نے امداد کی جو details دی ہیں کہ rice کے پچاس کلو کے جو بیگ ہیں وہ تین سو تقسیم کیے گئے ہیں------

Mr. Chairman: Are you fully prepared?

سینیٹر بابر خان غوری: کل مجھے یہ رپورٹ دی ہے۔ مجھے details کا پتا نہیں ہے، میں صرف یہ علم میں لاؤں گا کہ گورنمنٹ نے اچھا کام کیا ہے۔ انہوں نے coastal areas کے pass holders کو فوری طور پر چیزیں دیں۔ وزیر اعلیٰ خود بھی کل گوادر میں تھے اور وہ مختلف علاقوں میں گئے ہیں۔ اس کے ساتھ گوادر کے جو لوگ متاثر ہوئے تھے پرسوں دو C-130 بھیجے تھے جس میں کھانے پینے کی اجناس تھیں۔ تیس لاکھ کا سامان فوری طور پر بھیجا گیا تھا اور کل ہی تقسیم ہوا ہے۔ وہاں جتنے بھی لوگ ہیں انشاءاللہ تعالیٰ حکومت پوری کوشش کر رہی ہے کہ ان سب کو relief دیا جائے۔ آج بھی وہاں افسوس ناک حادثہ ہوا ہے۔ دو بچیاں سمندر میں ڈوب کر جاں بحق ہو گئی

ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جنت نصیب کرے لیکن اس آفت میں ہم سب کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے کہ کئی ادارے ایسے کر سکتے تھے لیکن انہوں نے نہیں کیا۔ میرا جو فرض تھا وہ میں نے پورا کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنا فرض پورا کریں گے۔

جناب چیئرمین: جی عبدالرحیم مندوخیل صاحب۔

سینیٹر صابر علی بلوچ: منسٹر صاحب کی اس statement پر ایک بات کر دوں۔ میں اس علاقے سے تعلق رکھتا ہوں، میں وہیں سے ہو کر آیا ہوں۔ بات یہ ہے کہ منسٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ بلوچستان گورنمنٹ نے پانچ کروڑ روپے وہاں پر دیے ہیں۔ وہاں اب بارہ کے قریب لانچیں ڈوب گئی ہیں اور ہر لانچ کی قیمت تین سے چار کروڑ روپے ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دو C-130 وہاں پر ضرور پہنچے ہیں لیکن انہوں نے شہر کے اندر بیٹھ کر دو دو چار چار بوریاں لوگوں میں تقسیم کی ہیں لیکن گوادر ایک بہت بڑا علاقہ ہے۔ کشکان کا علاقہ ہے، سرو کا علاقہ ہے، نگور کا علاقہ ہے یہ سارے کا سارا علاقہ اس لپیٹ میں آ گیا ہے۔ وہاں پر ایک فیصد بھی relief نہیں ملا۔ جناب والا! تمام کے تمام شہر کے اندر جتنے کچے مکانات ہیں سب بہہ گئے ہیں اور لوگ سڑک پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ منسٹر صاحب فرما رہے ہیں مجھے نہیں پتا کہ ان کو یہ information کہاں سے ملی ہے۔ آپ جیسے فرما رہے ہیں ایسے نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: جی، منسٹر صاحب۔

سینیٹر بابر خان غوری: ان کی بات بالکل صحیح ہے، وہاں پر بہت سے ایسے علاقے ہیں جہاں امداد نہیں پہنچی لیکن یہ ذمہ داری صوبائی حکومت کی ہے اور کل وزیر اعلیٰ صاحب وہاں آئے تھے اور آپ نے نیر بخاری صاحب کو کہا تھا کہ report آئی تو انہوں نے کہا کہ میں خود personally جا رہا ہوں، وہاں پر ان کی منتخب گورنمنٹ موجود ہے اور یہاں پر جو reservations ہیں ان کو پہنچائیں گے کہ وہاں پر فوری طور پر امداد دی جائے۔ یہ وہ امداد تھی جو میں نے اپنے طور پر کی تھی۔۔۔۔۔

سینیٹر صابر علی بلوچ: آپ کے کرینک ٹکرانے سے جو واقعات ہوئے ہیں۔ شاید وہ آپ کے علم میں نہیں ہیں۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔ عوری صاحب آپ ایسے کیجیے کہ ممبران کی جو reservations ہیں وہ please ان تک پہنچا دیں۔

سینیٹر بابر خان غوری: بالکل، ٹھیک ہے۔

جناب چیئرمین: جی شکریہ، مندوخیل صاحب آپ تقریر کریں گے یا بعد میں۔

سینیٹر عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب! میں ملتوی کرنا چاہتا ہوں۔

جناب چیئرمین: ملتوی کرنا چاہتے ہیں ٹھیک ہے۔ سلیم سیف اللہ صاحب۔

سینیٹر سلیم سیف اللہ خان: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شکریہ جناب چیئرمین! میرے خیال میں اپنے ضلع سے شروع کروں۔ بجٹ پر بعد میں آئیں گے۔ میرے خیال میں ان لوگوں کا حق مجھ پر زیادہ ہے۔ میرے ضلع میں ایسے دیہات بھی ہیں جہاں تین تین دن سے بجلی نہیں آئی ہے۔ اس گرمی میں آپ بچوں کو کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ PSO تیل نہیں دے رہی ہے، گیس نہیں مل رہا ہے، Rental نہیں آرہے، کیا وجہ ہے؟ جناب چیئرمین! آج بھی میرے ضلع لکی مروت جو ایک گرم ریگستانی علاقہ ہے وہاں ابھی بھی 18/18 گھنٹے لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے۔ یہاں لوگ آٹا، چینی، تیل، گیس کی بات کرتے ہیں، ہمارے ہاں ایک اور چیز جو بالکل نہیں مل رہی ہے وہ پینے کا پانی ہے۔ کیونکہ اس وقت میرے ضلع میں 365 ٹیوب ویل ہیں جن کی صوبائی پبلک ورکس دیکھ بھال کر رہی ہے اس میں اکثر خراب پڑے ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کی مرمت کے لیے 20/25 ہزار روپے ہمارے پاس نہیں ہیں جس کی وجہ سے یہ Tube wells بند پڑے ہیں۔ مجھے اس پر حیرانگی ہوتی ہے کہ ایک طرف ہم دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم High ways بنا رہے ہیں ہم بڑی بڑی بلڈنگیں اور flyover بنا رہے ہیں اور دوسری طرف ہمارے پاس 10/15 ہزار روپے نہیں ہیں کہ ان tube wells کو ٹھیک کیا جائے اور وہاں کے لوگوں کو پینے کا پانی مہیا کیا جائے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے جناب چیئرمین! آج اکیسویں صدی میں ہمیں پینے کا پانی نہیں مل رہا ہے۔ آٹا، گھی اور چینی کی باتیں تو بعد کی ہیں۔ پہلے تو کہتے ہیں کہ آب سے آبادی، پھر آب ہی نہیں ہے، پانی ہی نہیں ہے تو آگے اور کیا داستان سنائیں لیکن ساتھ ساتھ میں وفاقی حکومت کا مشکور بھی ہوں کہ کم از کم لکی مروت کا نام Annual Development Plan میں آ گیا ہے اور بڑے عرصے سے میری خواہش اور کوشش تھی کہ جس کے لیے ہم نے مفت زمین بھی مہیا کی کہ

وہاں پر ایک کیڈٹ کالج بنایا جائے شاید حکومت وقت نے اس کے لیے آٹھ کروڑ روپے مختص کیے ہیں۔ اس کے لیے میں مشکور ہوں۔

جناب چیئرمین! آج یہاں فاٹا کے کوئی ممبرز نظر نہیں آرہے ہیں اور آپ اندازہ کریں کہ فاٹا جو آپ کی جنگ لڑ رہا ہے جو آپ کا ہراول دستہ ہے۔ جہاں روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ مارے جارہے ہیں اور میرے خیال میں افسوس کا مقام ہے کہ ان کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں ہم بہت سارے projects لارہے ہیں، یہ کر رہے ہیں، وہ کر رہے ہیں لیکن اس دن ایک دعوت نامے میں USAID کے ڈائریکٹر ملے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ باتیں تو بڑی خوبصورت کرتے ہیں کہ ہم یہ project بھی لارہے ہیں لیکن زمینی حقائق کچھ اور ہیں اس پر بھی مجھے اعتراض ہے کہ فاٹا کے بھائی یہاں موجود نہیں ہیں کہ ہمیں ایک پرزور سفارش اس ایوان بالا سے کرنی چاہیے کہ فاٹا کے لیے خصوصی فنڈ جہاں سے بھی ہوں سب سے زیادہ priority اس علاقے کو دینی چاہیے۔ وہ پچھلے نو دس سال سے حالت جنگ میں بیٹھے ہیں تاکہ ان کے ہاں بھی کچھ development اور کچھ روشنی پہنچ سکے۔

جناب چیئرمین! اچھا ہے یہاں زاہد صاحب اور دوسرے دوست بھی تشریف فرما ہیں۔ ہم سے بھی بڑے وعدے کیے گئے ہیں کہ آپ کو یہ development projects دیئے جائیں گے آپ کو سستی بجلی دی جائے گی، آپ کو taxes میں چھوٹ دی جائے گی، یہاں پر کارخانے وغیرہ لگائے جائیں گے لیکن جناب چیئرمین! میری صرف یہ گزارش ہے کہ خدارا ا آپ وہ اعلانات کریں جو آپ پورا کر سکیں۔ جن اعلانات کو آپ پورا نہیں کر سکتے آپ کیوں اعلانات کرتے ہیں وہ کیا مجبوری ہے۔ ایک تو جب وزیراعظم صاحب میرے علاقے میں تشریف لائے تھے اور اعلانات کیے ان پر ابھی تک کوئی عمل نہیں ہوا اور میں امید کروں گا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ جناب چیئرمین! میرے صوبے کو Transparency international والوں نے کہا ہے کہ یہاں پر corruption ہے۔ برا نہ مانیں اس وقت جو حکومت ہے حقیقت یہ ہے، میں اپنے ضلع کی بات کرتا ہوں کہ اب بھی وہاں پر ٹرانسفر کے لیے، نوکریوں کے لیے، لین دین ہو رہا ہے۔ یہ افسوس کا مقام ہے۔ ایک کلرک جب بھرتی ہوتا ہے تو دو لاکھ روپے دے کر تو اس نے آگے جا کر دو لاکھ روپے کمانے ہیں یا نہیں کمانے ہیں۔ مرکزی حکومت سے بھی ہماری درخواست ہے کہ آپ ذرا احتساب کیجیے۔ صوبائی حکومتوں سے بھی درخواست ہے کہ مہربانی کریں۔ اب تو سارے وسائل آپ کی طرف جارہے ہیں بلکہ لوگ صدر پاکستان

کی تعریف کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اختیارات پارلیمنٹ کو دے دیے، Executive کو دے دیے۔ میں کہتا ہوں کہ وزیر اعظم کی بھی تعریف کرنی چاہیے، کیونکہ انہوں نے بھی اپنے بہت سے اختیارات صوبوں کے حوالے کر دیے ہیں۔ اب مرکز کے پاس کیا رہا ہے؟ اب تو سب کچھ devolution میں، صوبوں کے جیسے وسائل بڑھ رہے ہیں، ان کے اختیارات بڑھ رہے ہیں تو وہ مہربانی کریں۔ آپ بھی ذرا احتساب کی طرف توجہ دیں۔ بدنامی ہے، بے شک پہلے جو کچھ ہوا لیکن Transparency International نے یہی message دیا ہے کہ ہمارے صوبے میں کرپشن زیادہ ہے۔ یہاں پر ہمارے عوامی نیشنل پارٹی یا پیپلز پارٹی کے جو دوست بیٹھے ہیں، جن کا تعلق میرے صوبے سے ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس طرف بھی توجہ دیں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ ضرور کہوں گا کہ میرے صوبے کے ساتھ جو وعدے کیے گئے ہیں، ان وعدوں کو ضرور پورا کیجیے۔ اب جناب والا! بجٹ پر بات کروں گا۔ سیاست کرتے ہوئے مجھے تیس سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ جس قسم کے مالی حالات اس وقت پاکستان کے ہیں، اتنے برے شاید ماضی میں نہ تھے۔ میں پچھلے تیس سالوں کی بات کر رہا ہوں۔ ۱۹۸۰ء سے ۲۰۱۰ء تک۔ میں کوئی panic create نہیں کرنا چاہتا کہ حالات ایسے ہیں لیکن اگر میں حقیقت کا سامنا نہ کروں تو میں اپنے فرض منصبی کی بجاآوری میں کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہوں گا۔ Circular debt کی بات ہوئی۔ اچھا ہے کہ Privatization کے منسٹر بھی تشریف فرما ہیں۔ میری بات وہ نہیں سن رہے لیکن میں امید کرتا ہوں کہ کوئی تو ہماری باتیں بھی سنے گا۔ پتا نہیں کون سن رہا ہے۔

جناب چیئرمین: سینیٹر وقار! سلیم سیف اللہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔

سینیٹر سلیم سیف اللہ خان: میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ ہماری باتیں کوئی نہیں سنتا۔ یہ debating society ہے۔ یہاں آ کر debate ہو جاتی ہے۔ وقار صاحب کو تو زیادہ دلچسپی لینی چاہیے کیونکہ ماشاءاللہ ایک گھر سے تین سینیٹرز اس ایوان میں ہیں۔ وہ اگر ہماری بات سن لیں تو ان کی مہربانی ہو گی۔ میں debt کے متعلق یہ کہہ رہا تھا کہ debt آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ واپڈا کی جو حالت ہے۔ پی ایس او کے بارے میں آج پڑھ رہا تھا۔ ایک سو چالیس ارب روپے لوگوں نے پی ایس او کے دینے ہیں۔ ہم پی ایس او، ریلویز کی بات کرتے ہیں۔ آپ کی ریلوے بھی بیٹھ گئی ہے لیکن آپ کی ریفائنری بھی، جس کے آپ نے اربوں روپے دینے ہیں، جو آپ نہیں دے رہے، بند ہونے والی ہے۔

بجلی اور گیس کے بغیر تو ہم گزارہ کر رہے ہیں لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ خدانخواستہ تیل نہ ہوا۔ یہ نہ ہو کہ ایک دن ہم جائیں اور ہمارے پمپوں میں تیل ہی موجود نہ ہو اور گاڑیاں جہاں پر ہیں، وہیں رک جائیں۔ میری Privatization Minister سے صرف یہی درخواست ہے کہ آپ ذرا Privatization کی طرف توجہ دیں۔ کاش اس وقت ہم سٹیل ملزprivatize کر دیتے تو آج یہ ہمارے گلے کا ہار نہ ہوتی۔ تین سو پینسٹھ ملین ڈالرز ہمیں اس وقت مل رہے تھے لیکن ہم اس وقت نہیں کر سکے کیونکہ سپریم کورٹ کا حکم آیا کہ آپ نہ کیجیے۔ تین سو پینسٹھ ملین ڈالرز اور اس وقت آپ کا مہینے کا نقصان ایک بلین روپے سے زیادہ ہو رہا ہے۔ آپ کی ریلویز، آپ کے واپڈا کا ہر دوسرے دن ایک بلین روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ یعنی نصف بلین روپے فی دن تو دو دن میں ہو گئے ایک بلین روپیہ۔ یہ آپ کے واپڈا کا نقصان ہے۔ یہ کیسے پورا کیا جائے گا؟ پی ایس او ہے، ریلویز ہے، سٹیل ملز ہے، پی آئی اے ہے، KESC کی طرف آئیے۔ اس وقت کراچی میں دو پاور پلانٹ بند پڑے ہیں۔ کیوں بند ہیں؟ کیونکہ KESC ان سے خریدتی ہے۔ وہ ان کو مہنگی پڑتی ہے۔ ان کو ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ واپڈا سے کیوں نہیں خریدتے، جس کے لیے کوئی payment ہی نہیں ہو رہی۔ یہ بھی ایک عجیب المیہ ہے کہ KESC ستر اسی ارب روپے کی مقروض ہے۔ واپڈا کو نہیں دینے۔ چھ سو میگا وواٹ جو میرے پورے صوبے کو مل رہا ہے، وہ صرف KESC کو دیا جا رہا ہے لیکن اس کی payment نہیں ہو رہی ہے تو یہ کیا فنانشل مینجمنٹ ہے؟ کہ آپ کروڑوں، اربوں روپے دے رہے ہیں اور اس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔

جناب چیئرمین! میں گرانی پر کیا بولوں؟ کل میرا نوکر بھی مجھے کہہ رہا تھا کہ آلو بھی تیس روپے کلو تھے۔ آلو دس سے تیس روپے پر پہنچ گئے۔ آلو ایک عام چیز ہوا کرتی تھی۔ باقی آٹا، چینی، بجلی اور گیس کا کیا حال ہو گا۔ شیخ صاحب! آپ تو بادشاہ آدمی ہیں، سکھر کے بادشاہ ہیں لیکن عام آدمی پر کیا گزر رہی ہے؟ ہم کرایوں کی بات کم کرتے ہیں۔ گھروں کے کرائے کو دیکھیں۔ ہر کوئی گھر کا مالک نہیں ہے۔ کتنے پاکستانی اپنے گھروں میں رہتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ پچیس تیس فیصد ہوں۔ اکثریت کرائے کے مکانوں میں رہتی ہے اور کرائے کہاں پہنچ گئے ہیں؟ اس کا بھی کچھ خیال رکھا جائے۔ dollar devaluation کی وجہ سے آپ کے روپے کی قدر میں چالیس فیصد کمی آئی ہے۔ آپ کا قرضہ فوراً بڑھ گیا ہے، صرف اسی وجہ سے کہ آپ کا ڈالر ساٹھ سے پچاسی روپے تک پہنچ گیا ہے۔ اب جو قرض پچپن ارب ڈالر foreign exchange میں ہے اور اتنا ہی مقامی روپے میں ہے، یہ کیسے ادا ہو گا؟ اس کے لیے ساڑھے آٹھ سو ارب روپے درکار ہیں۔ ایک وقت تھا کہ ہمارے Revenue کا پندرہ، سولہ،

اٹھارہ فیصد debt servicing میں جاتا تھا۔ آج آپ کا پچاس فیصد of your revenue is going into debt servicing. کب تک قرض لیتے رہیں گے؟ اور اسے کون ادا کرے گا؟ ہم نے اپنے وقت میں آئی ایم ایف کو فارغ کیا تھا۔ اب ڈیڑھ بلین روپے کے لیے کبھی VAT کی بات ہو رہی ہے، کبھی کوئی اور بات ہو رہی ہے۔ آپ کے جو پاکستانی باہر ہیں، اگر آپ ان کو کچھ incentive دیں، ساڑھے آٹھ، نو بلین روپے کی بجائے وہ پندرہ بلین روپے بھی آپ کے پاس بھیج سکتے ہیں۔ آپ ان کو target کریں۔ ان کو کچھ facilities دیں تاکہ وہاں سے زیادہ پیسا آئے اور آپ کی foreign exchange کی requirement پوری ہو سکے۔

جناب والا! سود کی بات ہوئی ہے۔ سومرو صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ سود ہونا ہی نہیں چاہیے لیکن ساڑھے بارہ فیصد ہے۔ جاپان میں zero per cent، امریکہ میں half per cent، برطانیہ میں one per cent، انڈیا میں 6 per cent مصر میں ساڑھے تین فیصد ہے لیکن ہمارے ہاں ساڑھے بارہ فیصد ہے۔ آپ کی انڈسٹری کیسے چلے گی؟ ساڑھے بارہ فیصد اور بینک کے چارجز کا اس میں اضافہ کر دیں تو یہ چودہ پندرہ فیصد ہو جاتا ہے۔ میں ہر تقریر میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ مہربانی کر کے اس economy کو jump start دیں۔ آپ بیروزگاری کی بات کرتے ہیں۔ بیروزگاری کیسے ختم ہو گی؟ جب تک آپ کے ہاں کارخانے، تجارت، کاروبار میں اضافہ نہیں ہو گا لیکن ساڑھے بارہ فیصد پر تو کوئی نہیں لے گا۔ جناب چیئرمین! ہم کسی isolation میں نہیں ہیں۔ پاکستان بھی global world کا حصہ ہے۔ ہم ایکسپورٹ کا کہتے ہیں۔ جناب چیئرمین! پچھلے دنوں مجھے آپ کے ساتھ بیلجیئم جانے کا شرف حاصل ہوا۔ نیٹو کے ادھر ہم مہمان تھے۔ آپ کو پتا ہے کہ بیلجیئم کی آبادی ایک کروڑ کی ہے اور آپ کی آبادی سترہ، اٹھارہ کروڑ ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی برآمدات کتنی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ تین سو پچھتر بلین ڈالر ہیں اور ہماری ایکسپورٹ اٹھارہ، ساڑھے اٹھارہ، انیس بلین پر آ کر رک گئی۔ آپ کیسے مقابلہ کریں گے؟ میں انڈیا کی مثال نہیں دیتا، میں مصر کی مثال دیتا ہوں۔ مصر میں فی یونٹ بجلی ساڑھے تین سینٹ ہے، آپ کے ہاں آٹھ سینٹ سے زیادہ، ڈبل ہے۔ وہاں پر interest rate ساڑھے تین فیصد ہے، آپ کے ہاں 12.5% ہے۔ وہاں سے جہاز تین، چار دن میں یورپ پہنچ جاتا ہے، آپ کا جہاز بیس سے پچیس دنوں میں پہنچتا ہے۔ اگر آپ وہاں سے روئی لیں تو وہ rebate دیتے ہیں تو آپ کی textile, Egyptian, Chinese and Indian textile کا کس طرح مقابلہ کر سکے گی؟

جناب چیئرمین! مجھے افسوس ہوا جب کسی نے مجھ سے کہا، مجھے شہر یاد نہیں ہے کہ کون سا شہر تھا کہ سندھ میں ایک بلڈنگ بن رہی ہے جس پر بیس ہزار روپے per square foot خرچہ آئے گا، میں حیران ہوا کیونکہ میں نے تو دو یا اڑھائی ہزار کا سنا ہے لیکن بیس ہزار روپے، پتا نہیں سب شیشے کی ہے یا کس چیز کی بنی ہے۔ مقصد یہ کہ ایک غریب ملک میں جہاں پر آپ کے چھوٹے ملازم کو مہینے کی پچیس تاریخ کو تنخواہ ملتی ہے، وقار صاحب، آپ ذرا پتا کریں بہت سے چھوٹے ملازمین کو پچیس تاریخ کو تنخواہ ملتی ہے۔ اس غریب نے بجلی اور گیس کا بل دینا ہوتا ہے اور آپ کی حکومت ان کو پچیس تاریخ کو تنخواہ دیتی ہے تو ایسے ملک میں ہم کس کو impress کر رہے ہیں کہ بیس ہزار روپے اور پچیس ہزار روپے per square foot پر بلڈنگ بنا رہے ہیں۔ جناب چیئرمین! مجھے یاد ہے کہ آج آپ جس کرسی پر بیٹھے ہیں، اس پر غلام اسحاق خان مرحوم بھی بیٹھتے تھے۔ وہ آٹھ سال تک اس ملک کے وزیر خزانہ رہے اور جب میں صوبائی وزیر خزانہ تھا، ہم جب ان کی میٹنگ میں آتے تھے تو وہ پوچھتے تھے کہ یہ بلڈنگ ساٹھ کی بجائے باسٹھ روپے per square foot کیوں لکھی ہے، میرے حساب سے یہ ساٹھ روپے per square foot ہونی چاہیے، وہ دو روپے بھی allow نہیں کرتے تھے۔ خدارا جناب چیئرمین! تقریریں ہو جائیں گی، آپ بھی اہم position پر بیٹھے ہیں، آپ سے بھی گزارش ہے کہ کب تک ہم ایسا کریں گے؟ بہت سے دوستوں نے باتیں کی ہیں، کسی نے کہا ہے کہ انقلاب آنے والا ہے۔ اللہ نہ کرے، میں نہیں چاہتا کہ اس خوبصورت اور حسین ملک میں جہاں اتنے اچھے لوگ رہتے ہیں اور انشاء اللہ نہیں آئے گا لیکن کب تک عام آدمی یہ برداشت کرے گا؟ خاص طور پر پیپلز پارٹی سے تو لوگوں کو بہت توقعات تھیں کیونکہ آپ نے ہمیشہ غریبوں کی آواز اٹھائی ہے اور ان کی سنی ہے، آج وہ غریب کہاں ہے؟ آپ کا جو کمپیوٹر یا Periscope ہے اس میں وہ نظر نہیں آرہا۔ جناب چیئرمین! آپ نے پچاس فیصد تنخواہ بڑھا کر بڑا اچھا کیا ہے، یہ وقت کی ضرورت تھی کیونکہ آج کل گزارہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ آپ ان sectors پر tax لگائیں جن پر نہیں لگا۔

جناب چیئرمین: سلیم صاحب! اب conclude کر لیجیے۔

سینیٹر سلیم سیف اللہ خان: آپ کے لوگ کہہ رہے کہ 60% tax industry دے رہی ہے تو کب تک industry سارا tax دیتی رہے گی؟ جناب چیئرمین! اور بھی sectors ہیں، ان پر بھی tax لگانا چاہیے۔ باتیں تو جناب چیئرمین! بہت ہیں، میں یہی امید کر سکتا ہوں کہ

ہماری جو Finance Committee ہے جس کے فاضل چیئرمین احمد علی صاحب یہاں پر تشریف فرما ہیں، وہ ضرور کوشش کریں گے کہ VAT وغیرہ نہ لگایا جائے۔ آپ سے GST نہیں چل رہا تو VAT کو کہاں سے لا رہے ہیں، پہلے GST کو تو چلائیں۔ آپ سے GST نہیں چل رہا اور آپ value added tax لگا رہے ہیں، اس سے اور complexities ہوں گی، اور مشکلات بڑھیں گی۔ مہربانی کر کے آپ GST کو ٹھیک کریں اور میں بابر غوری صاحب سے اتفاق کرتا ہوں، آپ مہربانی کریں جو GST ایک فیصد بڑھایا ہے، اس کو سولہ سے پندرہ پر لائیں۔ Sales tax 17% کرنے سے جناب چیئرمین! چوری بڑھے گی۔ آپ جتنا بڑھائیں گے، چوری بڑھتی جائے گی۔ آپ واپڈا کے جتنے rate بڑھاتے جائیں گے، چوری بھی اتنی بڑھتی جائے گی۔ گیس کے rates بڑھاتے جائیں، اتنی ہی چوری بڑھتی جائے گی۔ جناب چیئرمین! آپ کے ذریعے سے درخواست ہے کہ ہمارے اداروں میں جو اربوں روپے کی pilferage ہو رہی ہے، billions and trillions کی ہو رہی ہے، خدا کے لیے اس کو روکا جائے ورنہ unfortunately this country will then become a bankrupt country. Thank you.

Mr. Chairman: Thank you. Dr. Saeeda Iqbal.

سینیٹر ڈاکٹر سعیدہ اقبال: جناب چیئرمین! شکریہ۔ سب سے پہلے میں ڈاکٹر حفیظ شیخ صاحب کو جو یہاں پر موجود نہیں ہیں، آپ کی وساطت سے ان کو سینیٹر اور وزیر خزانہ کا حلف اٹھانے پر مبارک باد پیش کرتی ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ انتہائی فصیح، عام فہم اور جامع بجٹ تقریر کرنے پر بھی ان کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ ہمارے بہت سے ساتھیوں نے بجٹ پر بحث کی اور اس میں ایک جھلک تھی کہ بہت سے لوگوں کو economics, finance and accounts پر عبور حاصل ہے، میرے ساتھ ایسا نہیں ہے، میں ایک شہری کی حیثیت سے اس بجٹ کو دیکھتی ہوں اور جہاں تک میرا خیال ہے، ان حالات میں اس سے بہتر بجٹ ممکن نہیں تھا۔ Figures ایک اہم بات ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ بجٹ کی اہم بات یہ کہ گورنمنٹ کی جو fiscal policy ہوتی ہے وہ گورنمنٹ کی سمت کا تعین کرتی ہے۔ اس لیے بجٹ کے اعداد و شمار کی اہمیت اپنی جگہ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک fiscal policy کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، گو کہ ہماری اور ہمارے اتحادیوں کی حکومت ہے مگر ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ deficit budget ہے جو کوئی اچھی بات نہیں ہے مگر ان حالات میں اس سے بہتر کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ گورنمنٹ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ government

expenditures زیادہ ہیں۔ اگر یہ expenditures زیادہ ہیں تو زمینی حقائق بھی دیکھنے چاہییں کہ وہ کیا ہیں۔ پچھلے سالوں میں ہمیں صرف اپنی مشرقی سرحدوں پر افواج تعینات کرنی پڑتی تھیں، اب یہ حالات ہیں کہ ہم مغربی سرحدوں پر حالت جنگ میں ہیں اور ہمارے بہت سے ساتھی جو یہ کہتے ہیں دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ ہماری نہیں ہے مگر جب اس سے ہمارے ملک میں تباہی پھیل رہی ہے اور ہمارے لوگوں کو نقصان پہنچ رہا ہے تو وہ جنگ جو بنیادی طور پر ہماری نہیں تھی، اب ہماری بن چکی ہے اور ہماری افواج وہاں پر برسر پیکار ہیں تو لازمی طور پر defence budget بھی ایک خاص level تک رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے اس میں کمی کی بات کرنا غیر ضروری ہے۔

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ اس حکومت نے دو سال میں کیا کیا؟ اگر ہم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں تو وہ الگ بات ہے مگر حکومت جتنا کر سکتی تھی، کیا کیونکہ تیس سال کا بگڑا ہوا کام دو سال میں نہیں درست کیا جا سکتا اور اس میں بین الاقوامی معاشی بحران کا بھی حصہ ہے مگر ہمارے ملک کے جو حالات تھے، ان کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومت جتنا کر سکتی تھی، اتنا کیا۔ بار بار ذکر کرنا اچھا تو نہیں لگتا مگر NFC Award, آغاز حقوق بلوچستان، اٹھارہویں ترمیم جو consensus سے کی گئی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ساٹھ سال تک صوبے شکایت کرتے رہے مگر ان کو funds اور اختیارات منتقل نہیں کیے گئے، یہ پہلی مرتبہ کیا گیا ہے۔ اس بجٹ میں ہمارے ساتھیوں کو نظر آ رہا ہے کہ تعلیم اور صحت کے بجٹ میں کمی کی گئی ہے تو اس کو اس انداز میں دیکھنا چاہیے کہ NFC Award اور اٹھارہویں ترمیم کے بعد یہ پہلا بجٹ ہے، اب بہت سے شعبے صوبوں کو منتقل ہو جائیں گے۔ اس لیے تعلیم اور صحت کے علاوہ امن عامہ کے سلسلے کے اخراجات صوبوں کو برداشت کرنے ہوں گے کیونکہ یہ ذمہ داری بھی صوبوں کی ہے اور اس کے funds بھی صوبوں کے پاس ہیں۔

اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ price hike ہے، ہم مانتے ہیں کہ مہنگائی، بے روزگاری، پانی اور بجلی کی کمی بھی ہے لیکن اس میں کچھ sectors میں حکومت کچھ کر سکتی ہے اور کچھ ایسے ہیں جن میں حکومت کچھ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ مہنگائی ہے تو حکومت کوشش کر رہی ہے مگر دنیا میں قوموں اور ملکوں میں ہر چیز دوسری چیز سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں امن عامہ کی صورتحال اور دہشت گردی کے خلاف جنگ جو ہم پر مسلط کی گئی ہے، اس کی وجہ سے کوئی بھی investment کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اگر کوئی تیار نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ job creation ممکن نہیں ہے کیونکہ جب تک investment, صنعت کاری، نئے شعبے، نئے ادارے نہیں کھولے جائیں گے تو job

creation مشکل ہو جائے گی۔ اس لیے بے روزگاری کا مسئلہ ان تمام مسائل سے جڑا ہوا ہے۔ یہی بات دوسرے شعبوں پر بھی لاگو ہوتی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ میں مانتی ہوں کہ حکومت کا یہ بنیادی فرض ہے، مگر ہر معاملے پر کہنا کہ حکومت کو یہ کرنا چاہیے، حکومت کو وہ کرنا چاہیے، حکومت کو یہ کرنا چاہیے، یہ ہر گز جائز نہیں ہے۔ ترقی یافتہ قوموں کی یہی نشانی ہے کہ بحیثیت قوم، بحیثیت شہری اور ایک متمول شہری، خوشحال شہری اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے، public sector کے ساتھ ساتھ private sector میں بھی job creation ہوتی ہے، صنعتیں بھی لگائی جاتی ہیں، کارخانے بھی لگائے جاتے ہیں، سکول بھی بنائے جاتے ہیں اور ہسپتال بھی بنایا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ کچھ لوگ یہ کام کر رہے ہیں، مگر مجموعی طور پر ہمارے ہاں جتنے خوشحال لوگ ہیں، یہ کام اتنا نہیں ہو رہا، اس لیے حکومت کے لیے بھی مشکلات ہیں۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے تو حکومت ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے پوری کوشش کر رہی ہے۔ جہاں تک بجلی اور پانی کی صورت حال ہے تو تین dams زیر تعمیر ہیں اور ان پر کام شروع ہو چکا ہے، تین ڈیموں کی بنیادیں رکھی جا چکی ہیں، 12 dams plan ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ہم alternative energy کی طرف بتدریج بڑھ رہے ہیں، شاید ہم اس کی بہت زیادہ publicity نہیں کر پا رہے، مگر nuclear energy میں تقریباً 2000 megawatts پیدا کئے جا رہے ہیں، اسی طرح solar energy, wind energy and thermal power وغیرہ کی طرف حکومت بتدریج جا رہی ہے، امید ہے کہ بہت جلد صورت حال بہتر ہو جائے گی۔

ہم سب جب یہ باتیں کرتے ہیں تو اس میں سب سے اہم بات یہ ہو جاتی ہے کہ poverty ہے، غربت ہے تو بےروزگاری ہے، بےروزگاری ہے تو مہنگائی برداشت نہیں ہوتی، دنیا بھر میں مہنگائی ہے، مگر وہاں غربت اور بےروزگاری کم ہے تو مہنگائی کا اثر بھی کم ہے۔ اب ان سب چیزوں کو درست کرنے کے لیے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امن وعامہ کی صورت حال درست ہو اور امن وعامہ کی صورت حال کو درست کرنا صرف حکومت پاکستان کی کوششوں سے ممکن نہیں ہو گا، یہ بین الاقوامی حالات سے جڑی ہوئی چیز ہے۔ افغانستان کی جو صورت حال ہے، اس خطے کی جو صورت حال ہے، اس میں جب تک حالات خراب رہیں گے، حکومت پاکستان اپنی ساری کوششیں اس میں لگا رہی ہے، مگر تب بھی صورت حال بہتر نہیں ہو گی۔

جہاں تک inflation کا تعلق ہے یا IMF کی طرف جانے کا تعلق ہے تو یہ سب چیزیں اس لیے ہیں کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، کوئی حکومت بھی یہ نہیں چاہتی کہ وہ اپنے اوپر قرضوں کا بوجھ ڈالے کیونکہ وہ قرضے ادا بھی کرنے پڑتے ہیں۔ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے کہ پاکستان IMF کے پاس گیا ہے، پہلے بھی گیا ہے، پہلے بھی ضرورت ہوئی ہو گی اور اب بھی ضرورت تھی اور امید ہے کہ آئندہ ایسی ضرورت نہیں پڑے گی۔ VAT کے بارے میں بہت ساری باتیں ہوئی ہیں، VAT consumption based tax ہے اور شاید اس میں میرے ساتھی بہت ساری باتیں ٹھیک کر رہے ہوں، میں ان سے agree تو نہیں کرتی، مگر میں اتنا ضرور کہوں گی کہ ہمارے ہاں tax evasion کا جو problem ہے، بہت سے لوگ tax نہیں دیتے، بہت سے صنعتکار، تاجر اور لوگ بہت سی صنعتوں پر tax نہیں دے رہے۔ اب VAT and GST میں یہی فرق ہے کہ VAT ہر stage پر consumption پر دیا جائے گا اور اس کی وجہ سے یہ ممکن ہو گا کہ tax evasion کو کم کیا جائے یعنی tax کا دائرہ کار بڑھایا جائے۔ اس سے ہم سب کے بہت سارے مسائل حل ہوں گے، اگر ہم غور کریں اور ایک قوم کی حیثیت سے دیکھیں تو VAT کسی بد نیتی پر مبنی نہیں ہے، کسی لالچ اور حوص پر مبنی نہیں ہے۔ یہ بھی ایک معاشی ضرورت ہے جس کی طرف حکومت نے جانے کی کوشش کی، مگر جب ہمارے ساتھیوں کو اعتراض تھا تو Government نے اس کو موخر کر دیا ہے اور امید ہے کہ ہمارے ساتھی بہت جلد اس کو سمجھیں گے اور حکومت کے نقطہ نظر کو سمجھ کر ہم سب مل جل کر اس tax کی طرف آئیں گے۔

جہاں تک پانی کا تعلق ہے تو پانی کا انحصار موسموں اور بہت سی چیزوں پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہمارا ہندوستان کے ساتھ جو تنازعہ ہے اور جو معاہدہ ہوا تھا، وہ ہمارے زمانے سے بہت پہلے ہوا تھا، اب دوسری طرف سے اس میں خرابی کی صورت حال ہے تو پاکستان کی حکومت کی طرف سے پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ اس کو resolve کیا جائے اور مجھے امید ہے کہ اگر قوم متحد رہی اور جمہوریت اسی طرح قائم رہی تو ہم ضرور اس کا حل نکال لیں گے۔ بہت شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جی ڈاکٹر خالد سومرو صاحب۔

سینیٹر ڈاکٹر خالد محمود سومرو: شکریہ جناب۔ (عربی) اللہ رب العزت نے بھی یہ فرمایا کہ جو آپ کے بس میں ہے، آپ کوشش کریں اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آپ کوشش کریں گے تو انشاء اللہ آپ منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ بجٹ سے پہلے اگر pre-budget session ہوتا اور

پارلیمان کے ارکان سے مشورے لئے جاتے یا کم از کم اتحادی جماعتوں کو اعتماد میں لیا جاتا یا جو مختلف طبقوں میں لوگ کام کرتے ہیں، اگر ان کو بلایا جاتا، ان سے مشورے لئے جاتے تو شاید اس کام کو آگے بڑھانا زیادہ آسان ہوتا اور اعتراضات بھی کم ہوتے۔ جمعیت علمائے اسلام کو قطعی طور پر اعتماد میں نہیں لیا گیا تو ہم نے اپنی تجویزیں دی ہیں اور میں آج بھی نیک نیتی کی بنیادوں پر کچھ چیزیں عرض کر رہا ہوں، امید ہے کہ ان چیزوں پر غور کیا جائے گا۔

بجٹ کو کس طرح عوام دوست بجٹ بنایا جائے، یہ اعلان کیا گیا ہے کہ 2 لاکھ نوجوانوں کو 7000 روپے ماہانہ کے حساب سے ایک سال میں 100 دنوں کی اجرت دی جائے گی، ہماری تجویز یہ ہے کہ اگر حکومت اس کے بجائے یہ اعلان کرے کہ جتنے بھی بے روزگار ہیں، ہم ان کو بے روزگاری کا allowance دیں گے۔ یہ کم ہی رکھیں، 5000 روپے نہ رکھیں، 6000 روپے نہ رکھیں، 7000 روپے نہ رکھیں۔ مثلاً یہ کریں کہ ہم ہر graduate کو ماہانہ 2000 روپے دیں گے، postgraduate کو بلا تفریق ماہانہ 3000 روپے دیں گے اور اس سے کم پڑھے لکھے لوگوں کو 1000 روپے دیں گے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کا زیادہ اثر ہو گا۔

صحت اور تعلیم کے شعبوں کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، ہم نے یہ ہمیشہ کہا ہے اور تقریباً تمام ساتھی اس پر متفق ہیں۔ شعبہ صحت کے لیے تقریباً 17 ارب روپے رکھے گئے ہیں، یہ گزشتہ سال کے مقابلے میں 6 ارب روپے کم ہیں، اگر ملک کی مجموعی آبادی پر ان پیسوں کو تقسیم کیا جائے تو یہ ایک بندے پر تقریباً 98 روپے ایک سال میں آتے ہیں، اب اس سے صحت کے شعبے کو کس طرح ٹھیک کریں گے، یہ ایک افسوسناک صورت حال ہے۔ میری جماعت سمجھتی ہے کہ یہ بہت کم ہے، اس کو کم از کم تین گنا کریں، اگر تین گنا نہیں ہو سکتا تو کم از کم دگنا کر دیا جائے۔ اسی طرح ہم نے education کے حوالے سے بجٹ میں بہت بڑی کمی کی، 10% کمی کر دی گئی ہے اور وزارت تعلیم کے جو جاری منصوبے ہیں، ان کے لیے 5 ارب 14 کروڑ روپے رکھے گئے ہیں جو رواں مالی سال کے بجٹ سے 3 ارب کم ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے 15 ارب 76 کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں جو رواں مالی سال کے بجٹ کے مقابلے میں 7 ارب روپے کم ہیں، اگر اس حوالے سے اس کو بڑھایا جائے، اس کو کم از کم تین گنا کیا جائے ورنہ دگنا کر دیا جائے۔ قرضے لینے کا جو سلسلہ ہے، اس کو روکا جائے، ہم جب تک خود انحصاری کی پالیسیوں پر عمل نہیں کریں گے جو اپنے وسائل ہیں، اگر ہم ان کے مطابق آگے نہیں چلیں گے تو ہم پھنستے ہی چلے جائیں گے۔ IMF ہو یا کچھ اور ہو اس لعنت سے جان چھڑائی

جائے، اگر ہم کفایت شعاری کریں تو ہم جان چھڑا سکتے ہیں، خرچوں کو کم کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ corruption کے دروازے بند کر دیے جائیں، قیام پاکستان سے لے کر آج تک جن لوگوں نے قرضے لیے ہیں اور معاف کرائے ہیں جو کہ اربوں کھربوں میں ہیں، اگر ان سے وہ قرضے واپس لے کر قومی خزانے میں جمع کرائے جائیں تو ہمیں کسی کے دروازے پر بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ افسوسناک صورتحال ہے کہ ہم قرضوں پر قرضے لے رہے ہیں، یہ ادا بھی کرنے ہیں اور یہ کس طرح ادا ہوں گے۔ گزشتہ دو سالوں میں ہم نے ریکارڈ قائم کیا ہے کہ ہم نے 25 ارب ڈالر کا غیر ملکی قرضہ لیا۔

میں یہ بھی تجویز کرتا ہوں کہ ایوان صدر کا اور ایوان وزیر اعظم کا خرچا کم کیا جائے۔ گزشتہ سال ایوان صدر کا خرچا 39 کروڑ 2 لاکھ 44 ہزار تھا، اس سال اس میں تین کروڑ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ایوان وزیر اعظم کے لیے 38 کروڑ 38 لاکھ مقرر کیے گئے ہیں۔ میری تجویز ہے کہ کم از کم 50% ان خرچوں میں کٹوتی کی جائے۔ گیس کے بلوں میں ڈیوٹی کے حوالے سے جو 10 روپے فی یونٹ بڑھایا گیا ہے اس سے ہر بل میں کم از کم ڈیڑھ سو سے تین سو روپے کا اضافہ ہو گا، جس کا بوجھ عام آدمی پر پڑے گا۔

ہمیں کچھ کفایت شعاری سے کام لینا چاہیے، عیاشیوں کو چھوڑیں، ہم نئے villas اور نئے apartments بنا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم اپنے احوال پر کافی کنٹرول کر سکتے ہیں۔ بیرونی دوروں پر بھی بہت خرچا ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم صاحب اور صدر صاحب کے دورے ہونے چاہئیں لیکن جتنا خرچا کم کیا جاسکتا ہے اسے کم کیا جائے۔ گزشتہ سال وزیر اعظم صاحب کے دوروں پر ایک ارب 21 کروڑ 33 لاکھ 76 ہزار خرچا کیا گیا اور اس سال کے لیے ایک ارب 47 کروڑ 74 لاکھ 88 ہزار روپے رکھے گئے ہیں، یہ افسوسناک صورتحال ہے، ان خرچوں کو کم کیا جائے۔

یہ جو تنخواہیں بڑھائی گئی ہیں اس میں باضابطہ طور پر basic pay میں اضافہ نہیں ہوا، یہ adhoc relief دیا گیا ہے، کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور ہو گا لیکن basic pay میں باضابطہ طور پر اضافہ کیا جائے اور اسے grade wise کیا جائے، گریڈ ایک سے گریڈ 22 تک مساوی بنیادوں پر تنخواہ بڑھائیں۔ غریب آدمی کو فائدہ کب ملے گا، نچلے گریڈ والے کو، چھوٹے ملازم کو کب فائدہ ہو گا۔ اب اگر آپ 50% کے اضافے کو دیکھیں تو grade one کے ملازم کی تنخواہ میں صرف 1485 روپے کا اضافہ ہو گا جبکہ grade 22 کے ملازم کی تنخواہ میں 13840 روپے کا اضافہ ہو گا، اس میں کچھ تناسب ہونا چاہیے۔ اسی طرح grade 10 کے ملازم کی تنخواہ میں 1977 روپے کا اضافہ ہو گا جبکہ grade 20 کے ملازم کی تنخواہ میں 12940 روپے کا اضافہ ہو گا، یہ ratio ٹھیک نہیں اسے ٹھیک کرنا چاہیے۔ PIA,

WAPDA, PEPCO, Pakistan Steel and Railways ان پر جو ہم 245 ارب قوم کا خون نچوڑ کر خرچ کر رہے ہیں، اس سے ہماری جان چھڑائی جائے۔

میں یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ contract and daily wages ملازمین کی تنخواہوں میں بھی اضافہ ہونا چاہیے اور ان کو regular کر دیا جائے۔ Prime Minister صاحب نے دو چار مرتبہ یہ اعلان کیا ہے لیکن ان کے اعلان پر بھی عمل درآمد نہیں ہو رہا۔ واپڈا کا ذیلی ادارہ Pakistan Wapda Foundation ہے، ان کے ملازمین 2001 سے daily wages پر کام کر رہے ہیں، وزیراعظم صاحب نے گزشتہ سال 31 مارچ کو اعلان کیا تھا کہ ان سب کو regular کر دیا جائے گا لیکن ابھی تک عمل نہیں ہوا۔ اسی Population Welfare Department میں 1200 سے زیادہ لوگ ہیں جو کہ سارے graduates ہیں، پہلے انہیں دو ہزار کی تنخواہ پر رکھا گیا، پھر تین ہزار اور چار ہزار کی تنخواہ پر رکھا گیا، ان کو بھی regular نہیں کیا جا رہا۔ ان تمام ملازمین کو اور دیگر تمام محکموں میں جتنے ملازمین ہیں انہیں regular کیا جائے۔

یہاں کچھ ساتھی کہہ رہے تھے اور باہر بھی کہہ رہے تھے کہ ہمارے وزراء نے Cabinet کی meeting سے walkout کیوں کیا۔ ہمارے Science and Technology کے منسٹر ہیں، شاید یہ واحد وزیر ہیں جو سرکاری تنخواہ نہیں لیتے، یہ ایک مثال ہے۔ Ministry of Science and Technology کی اہمیت کو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ترقی کرنے والے ممالک science and technology کے ذریعے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس وزارت کو گزشتہ سال 3 ارب 60 کروڑ کا بجٹ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن پوری وزارت کو صرف ایک ارب 60 لاکھ دیے گئے۔ اس کے 15 بڑے ادارے ہیں جو مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں، صحت، زراعت، بجلی اور ماحولیات میں کام کر رہے ہیں۔ اس مرتبہ وزارت نے کہا تھا کہ صرف رواں منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سات ارب کی ضرورت پڑے گی، اگر آپ کوئی نیا منصوبہ نہ بنائیں، اس سال 7 ارب 60 کروڑ کا بجٹ رکھا گیا جس پر ہمارے منسٹر صاحبان نے boycott کیا اور meeting سے walkout کیا۔ کہا یہ گیا کہ پیسے نہیں ہیں۔ پوری وزارت کے لیے ایک ارب اور 60 کروڑ اور کہتے ہیں مزید پیسے نہیں ہیں جبکہ حقائق یہ ہیں کہ گزشتہ سال ملتان کی گلیوں پر 6 ارب کا خرچا کیا گیا اور اس سال بجٹ میں ملتان کی گلیوں کے لیے 12 ارب رکھے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ صورتحال انتہائی افسوسناک ہے۔

میں زراعت کے شعبے کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں- یہ ریڑھ کی ہڈی ہے اور خاص طور پر میرا صوبہ سندھ- میں سندھ کے حوالے سے یہ بھی عرض کروں کہ کچھ channels اور اخبارات کچھ دنوں سے جان بوجھ کر کراچی کو سندھ سے الگ کر کے پیش کر رہے ہیں، کراچی اور سندھ- میں اس کی بھرپور مذمت کرتا ہوں- کراچی سندھ کا اٹوٹ انگ ہے، کراچی سندھ کا شہ رگ ہے- یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ پشاور اور پختونخوا، لاہور اور پنجاب، کوئٹہ اور بلوچستان- آخر ہمارے ساتھ یہ مذاق کیوں کیا جا رہا ہے، ان channels کا notice لیا جائے- میں سمجھتا ہوں یہ بد نیتی ہے- صوبہ سندھ بنیادی طور پر ایک زرعی خطہ ہے لیکن زراعت کو تباہ کر دیا گیا ہے- یوریا کے حوالے سے، DAP کے حوالے سے خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے- نقلی کھاد اور نقلی دوائیوں نے بیڑہ غرق کر دیا ہے- دو چار سال پہلے کی بات کر رہا ہوں کہ DAP کا ایک bag ساڑھے تین سو سے چار سو میں ملتا تھا لیکن آج کل اس کی مارکیٹ میں قیمت 2800 سے 3000 ہے- اسی طرح یوریا کا bag دو چار سال پہلے 110 سے 120 کا ملتا تھا اور اب وہ 800 سے 900 میں مل رہا ہے- ہمارے علاقے کو خاص طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے، ہمارے ہاں پانی کی شدید قلت ہے، کوٹری سے نیچے بالکل پانی نہیں ہے، ریت اڑ رہی ہے- لاڑکانہ کے علاقے میں رائس کینال بہتا ہے جو صرف چھ ماہ بہتا ہے اور چھ ماہ بند رہتا ہے، اس پر صرف ایک فصل چاول کی ہوتی ہے- وہاں یکم مئی سے پانی آتا ہے لیکن ابھی تک وہاں پورا پانی نہیں پہنچا، مئی کے پورے مہینے میں پانی نہیں آیا اور جو ہمارا نقصان ہوگا اس کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں-

میں سمجھتا ہوں کے زراعت کے شعبے کو خاص طور پر اہمیت دی جائے- صوبہ سندھ میں جو کھجور کی فصل ہے اس پر توجہ دیں تو ہم اس فصل سے بہت کچھ کما سکتے ہیں- پوری دنیا میں کھجور کی فصل میں پاکستان چوتھے نمبر پر ہے، ہم سوا سات لاکھ میٹرک ٹن کھجور پیدا کرتے ہیں، 90ہزار ٹن export ہوتی ہے اور باقی export نہیں ہو رہی- 80ہزار ٹن کھجور صرف ضلع خیرپور سے پیدا ہوتی ہے اور ہماری کھجور کافی ممالک سے بہت اعلیٰ ہے- میں عرض کرتا ہوں کہ ان کے لیے dehydration plants قائم کیے جائیں، اس بجٹ میں کچھ نہ کچھ رکھا جائے، cold storage کا بندوبست کیا جائے، dry port کا بندوبست کیا جائے- صوبہ سندھ میں ایک لاکھ دس ہزار ایکڑ پر کھجور ہوتی ہے- محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ نے لاڑکانہ میں اپنی حکومت میں dry port قائم کیا تھا جس کو تباہ کر دیا گیا ہے، وہ dry port بند ہے اسے کھولا جائے- کپاس، گنے، چاول اور گندم کی فصل کو آگے بڑھایا جائے- ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں- ہمارے سیڈ پلانٹ تباہ ہیں، فوڈ ڈیپارٹمنٹ کے گودام تباہ ہیں- اس مرتبہ

تو باردانے کی بوریاں بھی فروخت کی گئی ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر ہم ان چیزوں پر غور کریں گے تو ہم بہت کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔میں یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ کابینہ کا حجم کم کیا جائے۔ ۱۸ ویں ترمیم میں بھی اس قسم کی سفارش کی گئی ہے۔ سال ڈیڑھ سال کے انتظار کی کوئی ضرورت نہیں اس سے ہم آدھا خرچا کم کرسکتے ہیں۔ سترہ کروڑ کی آبادی میں ہمارے وزیر، مشیر سب ملا کر ان کا نمبر ایک سو تک جا کر پہنچتا ہے جب کہ انڈیا میں ان کی آبادی ہے ایک ارب سترہ کروڑ ان کے وزیر ۳۳ ہیں۔ چین کی آبادی تقریباً ایک ارب تیس، چالیس کروڑ ہے اور ان کے کل پچاس Members of Council ہیں۔ USA کی آبادی تین سو ملین کی ہے ان کے صرف ۱۵ وزیر ہیں۔ ہم خساروں کو پورا کرنے کے لیے قرضوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس سے بہت زیادہ نقصان ہوگا فائدہ نہیں ہوگا۔

میں یہ بھی التماس کرتاہوں کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم عام آدمی کو relief دیں تو ہم خورد و نوش کی اشیاء کی قیمتوں کو کنٹرول کریں اور ان کو منجمد کریں۔ اگر آٹا، چاول، گھی، چینی، دالیں، گوشت وغیرہ ان کی قیمتوں کو کم کرکے ہم تین سال کے لیے منجمد کریں۔ میں بائیس سال پہلے سعودی عرب گیا تھا وہاں پر پانی کی بوتل اس وقت ایک ریال میں ملتی تھی، اب بھی ایک ریال میں ملتی ہے۔وہاں پیپسی وغیرہ ایک ریال میں ملتی تھی اب بھی ایک ہی ریال میں ملتی ہے۔ دودھ کا چھوٹا پیکٹ ایک ریال میں ملتا تھا اب بھی اسی طرح ملتا ہے۔ یہ ہے قیمتوں کو منجمد کرنا، اس سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔میں یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمتیں کم ہورہی ہیں اور ہم بڑھا رہے ہیں۔ عالمی مارکیٹ کے حساب سے تیل کی قیمتوں کو کم کیا جائے اور میں یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اسلامی بینکنگ کو فروغ دیا جائے۔ الحمدللہ دنیا بھر کے بہت سارے ممالک میں بلاسود بینکاری رواج پا رہی ہے اور یہ سودی بینک اتنا نفع لوگوں کو نہیں پہنچا رہے جتنا نفع اسلامی بینکاری سے لوگ حاصل کر رہے ہیں۔جب ہمارے پاس متبادل نظام موجود ہے تو ہم سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کریں تا کہ اللہ کی رحمت ہو۔ سرکاری ملازمین کے لیے move over, selection grade کو بحال کیا جائے۔ ان کے لیے میڈیکل الاؤنس، conveyance allowance, house rent میں مہنگائی کے تناسب سے اضافہ کیا جائے اور میں یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ زرعی ترقیاتی بینک اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے جن لوگوں نے قرضے لیے ہیں ان کے قرضوں پر فوری طور پر سود کے خاتمے کا اعلان کیا جائے تا کہ لوگ اصل رقم جمع کرسکیں اور اس قرضے سے اپنی جان چھڑا سکیں۔

پینے کا صاف پانی جیسا کہ سلیم سیف اللہ خان صاحب نے بھی کہا تھا اور میں بھی عرض کرتا ہوں سندھ میں بھی یہ سب سے بڑا problem ہے خاص طور پر جوہی ضلع دادو کا ملحقہ علاقہ کاچھو، وہاں پر پینے کا پانی نہیں ہے۔ جس پانی کے گڑھے سے ایک کتا پانی پیتا ہے اسی سے ایک انسان بھی پانی پیتا ہے اور اسی طرح تھر کی صورت حال ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ پینے کے صاف پانی کے لیے خاص انتظام کیا جائے اور سندھ کے باقی اضلاع میں جو پانی ہے اس میں بھی ستر فیصد arsenic ہے۔ ہم زہر پی رہے ہیں کم از کم اس طرف خصوصی توجہ دی جائے۔ ہیپا ٹائٹس کے پہلے بیس لاکھ کیسز تھے، پھر اٹھائیس لاکھ بنے اب بتیس لاکھ کیسز ہیں اور ہیپاٹائٹس کی بیماری کے بہت بڑے اسباب میں سے ایک سبب یہ گندا پانی بھی ہے جو ہم استعمال کر رہے ہیں۔

کرپشن سے پاک پاکستان کے لیے ہمیں مل کر کچھ کرنا چاہیے۔FBR میں بھی گھپلے ہوئے۔ FBR میں گزشتہ سال پانچ سو ارب کا گھپلا ہوا ہے۔rental power projects میں دوارب کا گھپلا، سٹیل ملز میں انتیس ارب کا گھپلا،TCP میں نو ارب کا گھپلا اور ہماری وزارت بجلی و پانی میں ایک سو گیارہ ارب کا گھپلا ہوا۔ اگر یہ گھپلوں کی رقم ان سے وصول کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر بھی ہمیں کسی غیر کے دروازے پر کاسہ گدائی اٹھا کر بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور میں یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ بجلی اور گیس کے نرخوں کو کم کیا جائے تاکہ عام آدمی کو ریلیف ملے۔ میں یہ بھی تجویز کرتا ہوں کہ جہاں پر آپ اور خرچا کر رہے ہیں یہ خرچا کریں اور آپ مساجد اور مدارس اور یتیم خانوں کو گیس اور بجلی مفت فراہم کریں۔ آپ جو غیر ملکی صنعت کاروں کو جو سہولیات دے رہے ہیں وہ سہولیات اپنے ملکی صنعت کاروں کو دیں۔ ہمارے صنعت کار کہتے ہیں کہ ہم اپنے کارخانوں کے لیے خود بجلی پیدا کرنا چاہتے ہیں آپ ہمیں اجازت دیں۔ اگر آپ ان کو اجازت دیں تاکہ بڑے بڑے صنعت کار اپنے کارخانوں کے لیے خود بجلی پیدا کریں اور آپ ان پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ لوڈشیڈنگ جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ حل ہو جائے گا۔ میں نے پچھلے سال بھی گزارش کی تھی اور اب پھر دہراتا ہوں کہ سٹیٹ بینک کے سابق گورنر عشرت حسین صاحب کے دور میں یہ تجویز آئی تھی کہ غریب لوگوں کو بھینسیں لے کر دی جائیں اور ان کی insurance ہونی چاہیے۔ کسی کو ایک، کسی کو دو، کسی کو پانچ، کسی کو دس بھینسیں دی جائیں اور اگر کوئی بھینس مر جاتی ہے تو insurance والے اس کی قیمت ادا کریں۔اس پر اگر آپ اربوں خرچا کریں گے تو گھر بوں کی آمدنی ہو گی اور آپ کا ڈیری کا شعبہ مستحکم ہو گا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ Duty free Tractors, second hand

tractors, second hand thrashers اور زرعی آلات کو منگوانے کی اجازت دی جائے۔ سندھ کی لاکھوں ایکڑ زمین سیم اور تھور کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہے۔ کم از کم سیم اور تھور سے اس زمین کو پاک کرنے کے لیے کوئی جامع منصوبہ بندی کی جائے اور اس بجٹ میں اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی حصہ رکھا جائے۔ میں آپ کی خدمت میں یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اگر ہم سارے مل کر کوشش کریں کہ اب تک جن علاقوں کو بجلی نہیں ملی اور جن علاقوں کو گیس نہیں ملی کم از کم یہ تو اعلان کریں کہ اس سال ہم سو فیصد نہیں تو کم از کم پچاس فیصد ان علاقوں کو، ان بستیوں کو، ان گوٹھوں کو جن کو آج تک بجلی اور گیس نہیں ملی ہم ان کو گیس اور بجلی فراہم کریں گے۔

جناب چیئرمین: مہربانی کرکے conclude کریں۔

سینیٹر ڈاکٹر خالد محمود سومرو: میں ختم کر رہا ہوں۔ معذور افراد کے لیے اور جو بوڑھے لوگ ہیں ان کے لیے، بیوہ عورتوں کے لیے، یتیم بچوں کے لیے خاص فنڈ قائم کرنے کا انتظام کیا جائے اور میں آخر میں یہ بھی گزارش کرتا ہوں کہ بار بار حکومت نے اعتراف کیا ہے کہ یہ جو نام نہاد war against terror ہے اس سے ہمارا بہت بڑا نقصان ہوا ہے ہم اربوں، کھربوں کے مقروض ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہم نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ war against terror ہماری نہیں، یہ امریکہ کی جنگ ہے، یہ مسلمانوں کے خلاف مسلط کردہ جنگ ہے، یہ یہودیوں کے مفادات کی جنگ ہے اس جنگ سے اپنی جان چھڑائی جائے۔ اللہ رب العزت ہمیں اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ایسے فیصلے کرنے کی توفیق دے کہ ان کے نتیجے میں غریب آدمی کی حالت بہتر ہو اور ہم پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

جناب چیئرمین: بہت مہربانی۔ جی ڈوگر صاحب۔

سینیٹر ملک صلاح الدین ڈوگر: میں معزز رکن کی ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ پچھلے سال چھ ارب روپے ملتان کی گلیوں پر لگا اور اس دفعہ بھی بارہ ارب روپے ملتان کی گلیوں کے لیے رکھا گیا ہے۔ پتا نہیں میرے فاضل بھائی نے کس جگہ یہ پڑھا ہوگا نہ پچھلی دفعہ چھ ارب روپیا ملتان کی گلیوں پر لگا اور نہ اب کوئی بارہ ارب روپیا رکھا گیا ہے۔ یہ میگا پروجیکٹ ہیں جن کا ملتان شہر سے کوئی تعلق نہیں وہاں جو انٹرنیشنل ائرپورٹ بن رہا ہے، موٹروے ملتان فیصل آباد بن رہی ہے جو کراچی تک جائے گی۔ اس کے بعد محمد علی پل بن رہا ہے، احمد پل بن رہا ہے جس سے کراچی

اور ملتان کا فاصلہ دوسو کلومیٹر کم ہو جائے گا، کوئٹہ کا سو کلومیٹر فاصلہ کم ہو جائے گا۔ شہر کے لیے نہ پہلے کوئی فنڈ مختص تھا اور نہ اب ہے۔ یہ وہ تمام میگا پراجیکٹس ہیں جو ملک کی ترقی کے لیے لگ رہے ہیں۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جی شاہ صاحب۔

سینیٹر سید جاوید علی شاہ: ہمیں اس بات کی انتہائی خوشی ہو گی کہ لاڑکانہ پر بے شک پاکستان کا آدھا بجٹ لگا دیا جائے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر خوش قسمتی یا بد قسمتی سے پہلی دفعہ پاکستان بننے کے بعد، ملتان سے کوئی شخص وزیرِ اعظم بن گیا ہے تو کیا اس کا اتنا بھی حق نہیں بنتا کہ وہ اپنے علاقے کی development کرا سکے۔ ویسے اگر اصولوں پر بھی بات ہو تو پھر بھی charity begins at home انہیں اپنے گھر سے شروع کرنا چاہیے۔ اگر کسی کا گھر درست نہیں ہوگا تو وہ پوری دنیا کو درست دیکھے یا نہ دیکھے، اس کے لیے بے معنی ہو گا۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جی ایس ایم ظفر صاحب۔

سینیٹر ایس ایم ظفر: جناب چیئرمین! بہت بہت شکریہ۔ ہمارے وزیرِ خزانہ عبدالحفیظ شیخ صاحب موجود نہیں ہیں، میں کچھ الفاظ ان کے متعلق record کروانا چاہوں گا۔ عبدالحفیظ شیخ صاحب کو یہ عہدہ بہت پہلے مل جانا چاہیے تھا، اس لیے میں ان کو یہ کہہ کر مبارکباد دوں گا کہ حق بہ حقدار رسید۔ حقدار کو حق مل گیا۔ ان کی بجٹ تقریر اچھی تھی۔ اس کی ادائیگی بھی اچھی تھی بلکہ ان کی بجٹ تقریر میں مجھے کچھ سچائی کی جھلک بھی دکھائی دی ہے اور وہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ میں مزید ان کے بجٹ کی کوئی تعریف نہیں کرسکوں گا۔

مجھے یہ بجٹ ایک تھکی ہوئی حکومت کا بجٹ دکھائی دیا۔ ایک ایسی حکومت جو کہ ہمت چھوڑ بیٹھی ہو اور اصل دشمن کا اور اصل مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ تیار نہ ہو۔ جیسا کہ کوئی ملاح کشتی کو خوفناک طوفان میں چھوڑ کر کسی کنارے بیٹھ جائے۔ میں آپ کو وزیرِ خزانہ کی تقریر کے چند حصے سنا کر اپنی بات کی تائید چاہوں گا کہ آپ دیکھیں کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ افراطِ زر کی شرح 25 فی صد تک پہنچ چکی ہے جو گزشتہ تین عشروں میں سب سے زیادہ ہے۔ میں تو کہوں گا سب سے زیادہ نہیں بلکہ خطرناک حد تک ہے کہ 100 روپے میں سے 25 روپے ویسے ہی آدمی کے نکل جاتے ہیں۔ آگے جا کر ایک جگہ کہتے ہیں، اب تک معیشت کی بحالی غیر مستحکم ہے۔ Economic

recovery according to him is unstable. گویا ایک بے یقینی کا عالم ہے۔ یہ ان کی تقریر کا اپنا حصہ ہے۔

اس سے کچھ آگے جا کر پھر فرماتے ہیں اور درست کہتے ہیں، اسی کو میں کہہ رہا ہوں کہ سچائی کی جھلک ہے، گزشتہ برسوں کے دوران بے دریغ قرضے لینے کے باعث ہمارے قرضوں کی سطح GDP کے 55 فی صد تک پہنچ چکی ہے۔ پھر انہوں نے اس کو اچھے طریقے سے explain بھی کیا کہ وہ Fiscal Responsibility and Debt Limitation Act کے تحت مقرر کردہ حد کو چھو رہے ہیں۔ جناب والا! بتایا جاتا ہے کہ یہ رقم اب 8,900 ارب روپے کے قریب پہنچ چکی ہے، پاکستان اتنا مقروض ہو چکا ہے۔ یہ تو وہی سلسلہ دکھائی دیتا ہے کہ:

قرض کی پیتے تھے مے اور کہتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

یہ فاقہ مستی کا نقشہ ہے۔ پھر وزیر خزانہ آگے چل کر کہتے ہیں، سخت بد انتظامی کا شکار، ذرا الفاظ ملاحظہ کیجیے، سخت بد انتظامی کا شکار چند سرکاری کارپوریشنوں نے اقتصادی صورتِ حال کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ They have kept it hostage by their own corruption. دراصل وزیرِخزانہ اشارہ کر رہے ہیں mismanagement کی طرف۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، میرے خیال میں بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ اب یہ کارپوریشنیں black hole بن چکی ہیں اور ایسی black hole بن گئی ہیں کہ انہوں نے اقتصادیات کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انہیں بہتری کی گنجائش دکھائی نہیں دے رہی۔ پھر آگے چل کر وہ کہتے ہیں، میں ان کی تقریر کا ہی ایک حصہ آپ کو سناتا ہوں، توانائی کا ذکر کرتے ہیں، توانائی کی قلت کا ذکر کرتے ہیں اور اس دکھ کا اظہار کرنے کے بعد کہ گھروں میں اندھیرے ہیں، industry معطل ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ کس وجہ سے ہوا ہے؟ سرکاری شعبے کی ناقص کارکردگی کی وجہ سے اور یہ صورت حال مزید پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ سرکاری شعبے، جن کے یہاں آج زیادہ لوگ موجود نہیں ہیں، ان کی ناقص کارکردگی کا رونا دھونا تو ہم کرتے چلے آ رہے تھے، شکایت کرتے چلے آ رہے تھے لیکن یہ اعتراف حکومت کے خلاف ایک سب سے اہم charge sheet سے کم نہیں ہے۔ اسی کو bad governance کہتے ہیں۔

وزیرِخزانہ کی تقریر کا ایک اور حصہ سن لیجیے۔ کہتے ہیں کہ پاکستان کی سرکاری corporations کی کارکردگی غیر متاثر کن اور ان کی management انتہائی ناقص ہے، یہ میرے

الفاظ نہیں ہیں، یہ الفاظ تو مجھے opposition میں ہونے کی وجہ سے استعمال کرنے ہی تھے لیکن میں وزیرِ خزانہ کے الفاظ بیان کر رہا ہوں، جو بے پناہ خسارے کا باعث بن رہی ہیں۔ اس بے پناہ خسارے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس پر رکاوٹ نہیں ہوسکتی، وہ شاید آگے ہی بڑھے گی۔ اس کا حوالہ بھی انہوں نے خود دیا ہے کہ ان کارپوریشنوں کی وجہ سے 245 ارب کا بھاری خسارہ ہے، جو وہ کہتے ہیں کہ سارے بجٹ کے عمل کو عدم استحکام سے دوچار کرسکتا ہے۔

جی ایس ٹی جو ہمارے indirect income tax کا طریقہ ہے، اس کے متعلق انہوں نے خود کہا کہ یہ نظام اب اس وقت بدعنوانی اور رشوت ستانی زدہ ہوچکا ہے It means that it has become addict. اب اس کی بیماری اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ بدعنوانی اور رشوت ستانی زدہ ہوچکا ہے۔ یہ ہے موجودہ حکومت کی دوسالہ کامیابی یا کارکردگی کی تصویر اور نقشہ۔

وزیرِ خزانہ آگے چل کر پھر کہتے ہیں اور میں ان کے الفاظ quote کر رہا ہوں کہ معیشت کے لڑکھڑانے کے خطرات بہت زیادہ ہیں۔ Economy is so unstable, it may fall down anytime. تقریر کے آخر میں وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ اب ہم ایک حالتِ جنگ کی معیشت کا منظر نامہ پیش کر رہے ہیں۔

جناب چیئرمین! جب میں ان کی تقریر سے یہ اقتباسات پڑھ رہا تھا تو معاً مجھے خیال آیا کہ کہیں ہم مالی ہنگامی صورتحال، financial emergency کی جانب تو نہیں جا رہے۔ آئین کے آرٹیکل 235 میں یہ ذکر ہے کہ اگر ایسی صورتِ حال پیدا ہوجائے کہ جس سے پاکستان کی اقتصادی زندگی، مالی استحکام یا ساکھ کو خطرہ ہو تو مالی ہنگامی صورت حال کا اعلان کیا جاسکتا ہے۔ جب میں نے یہ تقریر پڑھی اور آرٹیکل 235 کو پڑھا تو کچھ پریشانی لاحق ہوئی کہ کیا اس تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اگر حالات درست نہ ہوئے تو یہ صورتِ حال پیدا ہوگی۔ یہ بہت سنجیدہ معاملہ ہے کہ ملک میں financial emergency لگانے کی بات کی جائے، یہ بہت سنگین صورتِ حال ہے، مجھے پورا یقین ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہماری دعا اور پوری کوشش ہے کہ ایسا نہ ہو لیکن جناب! جیسا کہ انہوں نے کہا کہ بدعنوانی، رشوت ستانی، بدانتظامی نہ رکی تو پھر کون ہے جو کہہ سکتا ہے کہ یہ لڑھکتی ہوئی معیشت گر نہ پڑے۔

On 11th of August, 1947, Quaid-e-Azam said and warned us against what he called evils. He talked about these evils. He said,

"I warn you of the following evils: Bribery, corruption, nepotism and jobbery.

کیا ہم نے ان کی warning کی طرف توجہ دی ہے؟

مشکل یہ ہے اور یہ مشکل بڑی واضح ہے، یہ کہ کرپشن، یہ بدعنوانی جس کا ذکر وزیرِ خزانہ نے کیا ہے، رشوت ستانی جس کا انہوں نے حوالہ دیا ہے، اس پر قابو پانا وزیرِ خزانہ کے بس کی بات نہیں۔ وہ تو بجٹ ہی بنا سکیں گے، یہ کرپشن تو اب ایوانِ اقتدار کے کونے کونے تک پہنچ چکی ہے۔ اگر وہ وفاق میں ہے تو صوبوں میں بھی کم نہیں۔ اگر وہ کارپوریشنوں میں پائی جاتی ہے تو سرکاری محکموں میں بھی اسی کا راج چل رہا ہے۔ جناب والا! ریاست کے اقتصادی معاملات کا تعلق اس کی economic team سے ہوتا ہے۔ اس economic team میں Finance Minister ہوتا ہے، Agriculture Minister ہوتا ہے، Industries, Commerce, Water and Power, Population and Natural Gas, Planning Commission یہ سب وزراء مل کر ایک ٹیم بنتے ہیں۔ ایک کھلاڑی کے اچھے ہونے سے ٹیم جیتا نہیں کرتی، تمام کھلاڑیوں نے مل کر کام کرنا ہوتا ہے۔ ان کے درمیان coordination کی ضرورت ہوتی ہے، cooperation کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں تو وہ cooperation مفقود دکھائی دیتا ہے، ہمیں تو وہ coordination کہیں دکھائی نہیں دیتی ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے موجودہ حکومت بکھری بکھری سی دکھائی دیتی ہے۔ ابھی کل بجٹ پر آپ کے سامنے حکومت کے اندر سے دو پارٹیوں نے بجٹ کے معاملے پر walk out کیا، this is almost the first time in the history of a budget making in Pakistan or any other country کہ حکومتی پارٹیاں بجٹ بناتے وقت دو مرتبہ بجٹ کے دوران walk out کریں اور آپس میں بات طے نہ کر سکیں جب تک کہ walk out نہ ہو۔ یہ ایسی صورت حال ہے جو یقینی طور پر تشویش کا باعث ہے۔ Sir, according to me this government has lack of confidence, there is absence of coordination and instead of having a vision, I have a fear it lacks vision ورنہ آپ خود دیکھیں کہ اس حکومت نے جس بے دردی سے تعلیم کے مسئلے کو غیر اہم کر دیا ہے، اگر یہ اندھا پن نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

جناب والا! ابھی یہاں کہا گیا اور وہ درست کہتے ہیں کہ knowledge is power. میں نے جناب جاوید لغاری صاحب کا ایک article پڑھا ہے۔ جو کہ Higher Education

Commission کے چیئرمین ہیں۔ جس میں وہ کہہ رہے ہیں کہ Pakistan has a lowest enrolment density in the world and therefore, also the lowest GDP in the world. ان کا یہ article May 2010 کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ government needs to make a solid financial and political commitment to support higher education اور انہوں نے کیا increase its funding to 30 or 35% every year. حکومت نے ان کو سنا، ان کو پڑھا اور نتیجہ کیا نکلا کہ بڑھانے کی بجائے اسے بجٹ میں کم کر دیا گیا۔ اگر ہم نے تعلیم کا یہ حال رکھا تو یقین مانیں کہ ہمارا وہی حال ہو گا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ جناب والا! آپ دیکھتے ہیں کہ پچاس کے قریب مسلمان ممالک ہیں، آج ان سب کا کیا مقام بن رہا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان سمیت وہاں پر بھی تعلیم کا فقدان ہے۔ ہم دیکھنے کے لیے اور تجزیہ کرنے کے لیے ایک نظر عالم اسلام پر بھی ڈال لیتے ہیں۔ 53 Muslim ممالک ہیں، جب میں ان کی تصویر دیکھتا ہوں تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، مسلمان ممالک میں سیاست ہے بلکہ بہت سیاست ہے، جہاں سیاست نہیں ہونی چاہیے وہاں پر بھی سیاست پائی جاتی ہے، گھروں میں، اسکولوں میں، آپ کے محکموں میں سیاست ہے لیکن سیاسی قوت نہیں ہے، political power نہیں ہے۔ ہم تمام مسلمان ممالک میں سے ایک بھی Security Council میں موجود نہیں ہے، کسی کے پاس defence industry موجود نہیں ہے۔ ایک ملک nuclear power ہے لیکن اس کی economic صورت حال ایسی ہے کہ وہ لڑکھڑا رہا ہے، جس طرح ہمارے وزیر خزانہ بتا رہے ہیں۔ مسلمان دنیا میں 1.3 billion کے قریب عوام ہیں، عوام ہیں، اتحاد نہیں ہے، افغانی ہیں، عجمی ہیں، ایرانی ہیں، پاکستانی ہیں، شیعہ ہیں، سنی ہیں، دیوبندی ہیں، صوبائیت ہے، اتحاد نہیں ہے۔ جمہور ہے، جمہور تحریک نکال لیتا ہے، وہ تحریک نکال کر آجاتا ہے، چلا جاتا ہے، ہم نے بہت تحریکیں دیکھی ہیں۔ ماشاء اللہ نوابزادہ نصر اللہ خان کو اللہ غریق رحمت کرے، ہر بار تحریکیں ہوا کرتی تھیں، جمہور باہر آجاتا ہے، جمہور ہے، جمہوریت نہیں ہے۔ بیشتر مسلمان ممالک میں یا تو بادشاہت ہے یا زیادہ سے زیادہ عددی جمہوریت ہے، انتخابات کی جمہوریت ہے، آگے کوئی جمہوریت نہیں ہے۔ بے شمار صلاحیت موجود ہے، اتنی صلاحیت کہ دنیا مانتی ہے اور خاص طور پر پاکستانی صلاحیت پر تو عش عش کرنا چاہیے لیکن علم نہیں ہے۔ آج آپ کو صلاحیت بغیر علم کے کچھ بھی نہیں دے سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم کسی جگہ پر نہیں پائے جاتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ تعلیم کی جانب توجہ نہیں دی گئی۔

جناب والا! اب میں دو چار چھوٹی چھوٹی باتیں اور کرنا چاہوں گا۔ War against terror کا ذکر ہوا ہے، اس بجٹ میں بھی اس کا ذکر ہوا ہے اور بلاشک اس میں پاکستان کا حصہ بڑا کلیدی ہے۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ پاکستان کے بغیر یہ مسائل حل نہیں ہو سکتے لیکن ہمیں کس کے ساتھ bracket کیا جا رہا ہے؟ ہمیں افغانستان کے ساتھ bracket کیا جا رہا ہے، AF-PAK policy بنائی جا رہی ہے۔ یہ ہماری خارجہ پالیسی کی ناکامی ہے کہ ہم اب تک اپنے آپ کو اس سے de-link نہیں کروا سکے۔ پاکستان کا ایک اپنا مقام ہے، پاکستان میں اپنی فوج موجود ہے، پاکستان میں ادارے موجود ہیں، پاکستان میں عدلیہ موجود ہے، پاکستان کی civil society بیدار ہے، پاکستان میں میڈیا موجود ہے لیکن پاکستان جس کا ally ہے وہ اسے افغانستان سے compare کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ امریکہ کا افغانستان سے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے، میں حکومت سے درخواست کروں گا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وزیراعظم ایک all parties committee or conference بلائیں، اب ان کے پاس بہت اختیارات آ گئے ہیں post American exit کے بعد پاکستان کو جو problems آنے والے ہیں، ان پر ابھی سے غور کرنا شروع کر دیں کیونکہ وہی ملک اپنے آپ کو صحیح طریقے سے آگے لے کر جا سکتے ہیں جو proactive ہوں۔ وہ وقت قریب آ رہا ہے، ہمیں اس جانب اپنا قدم اٹھانا چاہیے۔

جناب والا! حال ہی میں President Obama نے ایک نیا doctrine announce کیا ہے اور خوشی کی بات ہے۔ وہ doctrine یوں ہے کہ he has rejected George Bush's doctrine in war on the terror, has distanced himself from preemptive attack. ہمیں President Obama کی اس policy کا فائدہ اٹھانا چاہیے اور اپنے سفارتی معاملات کو پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ آگے لے جانا چاہیے۔ میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اٹھارویں ترمیم کے لیے اتفاق رائے ہوا، NFC Award کے لیے اتفاق رائے ہوا۔ میں نے ابھی ذکر کیا تھا کہ جب میں بجٹ کی تقریر پڑھ رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ کہیں مالی مشکلات آگے نہ بڑھ جائیں۔ جناب چیئرمین! کیا یہ وقت نہیں آ گیا کہ جس طرح charter of democracy تھا اب ایک charter of economic management کے لیے ساری پارٹیاں اکھٹی ہو کر ایک اصول بنائیں اور اس کے مطابق اپنی economic policies آگے لے کر جائیں ورنہ خطرہ ہے کہ financial emergency or law and order کی خرابی، احتجاج، بحران اور عوام بنام اشرافیہ والا معاملہ آگے نہ بڑھ جائے۔

میں دو suggestions دے کر آپ سے اجازت لوں گا۔ آج کل کے زمانے میں بہت ضروری ہے کہ ملک میں think tanks ہوں، ایسے جو حکومت کو بروقت مشورے دے سکیں۔ میں نے اپنی پارٹی کے manifesto میں لکھا تھا کہ حکومت کی جانب سے think tanks قائم کرنے کے لیے حکومت endowment دے اور fund create کرے۔ بد قسمتی سے پاکستان میں کوئی think tanks نظر نہیں آتے، چند ایک private بنے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک وہ ہے جس کے پروفیسر خورشید صاحب چیئرمین ہیں، میں وہاں پر جاتا ہوں خوشی ہوتی ہے، کچھ نہ کچھ اچھی باتیں ہو جاتی ہیں لیکن بہت سارے think tanks کی ضرورت ہے جو کہ پاکستان میں نہیں ہیں۔ حکومت کو اس جانب توجہ دینی چاہیے۔ ایک اجتہادی معاملہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان اس وقت چار ہزار ارب روپے سے زیادہ کا مقروض ہے، جب ہم اس کو اپنے شہریوں پر تقسیم کرتے ہیں تو ہر شہری مقروض دکھائی دیتا ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب نے ایک مرتبہ یہ بات کہی تھی اور میں چاہوں گا کہ Islamic Advisory Council اس پر توجہ دے۔ اس پر علماء کرام غور کریں، یہاں پر بڑے عالم موجود ہیں انہوں نے کہا تھا کہ جب تک کوئی مقروض ہو اس کو عمرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ انہوں نے کہا تھا کہ حج پر بھی نہیں جانا چاہیے جب تک کہ وہ اپنا قرض ادا نہ کر لے۔ کیا یہ national tax یہ individual debt نہیں سمجھا جا سکتا، اس پر اجتہاد کرنے کے لیے میں گزارش کروں گا کہ سوچا جائے، غور کیا جائے، بہت مشکل سی بات ہے لیکن کیا ایسا مقروض ملک جو چار ہزار ارب روپے کا مقروض ہو چکا ہو، ہم اب اس معاملے پر کیا کریں، اس قسم کی باتیں ہمیں سوچنی چاہییں۔ آخر میں یہ کہوں گا کہ ہمارا ہمیشہ یہ مطالبہ رہتا ہے کہ اب ہمیں کالاباغ ڈیم پر بھی اتفاق رائے کر لینا چاہیے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس جانب بھی پیش رفت ہو گی۔

(ڈیسک بجائے گئے)

جناب چیئرمین: شکریہ۔ پروفیسر خورشید صاحب! آپ بولنا چاہیں گے؟

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ جناب چیئرمین! آپ کا بہت شکریہ، آپ نے مجھے موقع دیا۔ کل اور آج الحمدللہ سینیٹ میں بڑی دلائل پر مبنی، نئے خیالات پر بھرپور تقاریر ہوئی ہیں لیکن میں بڑے دکھ سے یہ بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت سرکاری بنچوں پر جو افراد خاص طور پر فنانس اور اکنامکس سے متعلق کوئی نمائندہ

نہیں ہے۔ایوان میں اس وقت دو وزیر ہیں، وزیر خزانہ نہیں ہے۔ وزیر خزانہ اور وزیر مملکت کا فرض تھا کہ وہ یہاں موجود ہوں۔ میں آپ کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرواؤں گا کہ مجھے گیلری میں بھی Ministry of Finance کا کوئی Senior Officer note لیتا ہوا نظر نہیں آرہا جو ایک روایت ہے بلکہ ایک ضرورت ہے، پارلیمانی آداب کا حصہ ہے کہ جو ہم یہاں باتیں پیش کر رہے ہیں یہ محض ہوا میں تحلیل ہونے کے لیے نہیں ہیں۔ اس کا حکومت کو سنجیدگی سے نوٹس لینا چاہیے۔ یہ ایک بہت بڑی کمزوری ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں نوٹس لیں۔

جناب چیئرمین: جی Advisor صاحب آپ کے دوست کدھر ہیں؟

نوابزادہ غضنفر علی گل: جناب ہم تو حاضر ہیں، نذر محمد گوندل اور میں یہاں موجود ہیں۔

جناب چیئرمین: آپ اس طرح کریں کہ اپنے State Minister کو بلا کر لائیں۔ ان کا پتا کریں۔ Leader of the House بھی جنازے پر گئے ہوئے ہیں۔

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد: جناب چیئرمین! آپ کے نوٹس لینے کا شکریہ۔ میں وزیر خزانہ کی تقریر کے بارے میں اپنے تاثرات کو share کرنا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں بہت عرصے کے بعد ہمیں ایک ایسی تقریر سننے کا موقع ملا جس کو سن کر خوشی ہوئی، یہ اس لیے کہ میری نگاہ میں اس میں حالات کا احساس موجود تھا اور اگر اس میں پوری صداقت نہیں تھی تو کم از کم کچھ صداقت کی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔ انہوں نے ایک حد تک حالات کا تجزیہ بھی کیا ہے اور انہوں نے اپنے چھ نکات دیے ہیں کہ یہ ان کی نگاہ میں key issues ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کا contribution ہے اور علمی اعتبار سے میں ان کی تقریر کو welcome کرتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ ماضی کی تقاریر کے مقابلے میں انہوں نے ایک اچھی روایت قائم کی ہے لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ بھی کہنے کی اجازت دیں کہ تقریر کا اپنا substance, تجزیاتی پہلو اور اس کی delivery یہ تینوں اچھی تھیں لیکن جس چیز کی اس میں خامی ہے اور بڑی serious خامی ہے وہ مسائل کا حل ہے اور ان مسائل سے بجٹ کو relate کرنا ہے کہ کہاں تک یہ بجٹ ان مسائل کے ادراک پر مبنی ہے اور اس ادراک کے ساتھ ساتھ ایک نقشہ کار پیش کرتا ہے، اس معاملے کی مجھے شدت سے کمی محسوس ہوئی ہے۔ اس لیے اگر میں اس مصرعے کا سہارا لوں جس میں کہا گیا ہے کہ

'کچھ خواب ہیں، کچھ اصل ہیں، کچھ طرزِ آداب ہیں'

لیکن بجٹ کا جو اصل contribution ہوتا ہے وہ آگے کا راستہ دکھانا ہے، یہ اس میں نہیں ہے۔

میں یہاں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرواؤں گا کہ تین باتیں انہوں نے ایسی کی ہیں جو کم ازکم میں ان جیسے علمی مقام رکھنے والے professional economist سے توقع نہیں رکھتا تھا۔ پہلی بات کہ انہوں نے بجٹ کے role کو minimize کیا ہے۔ مجھے علم ہے کہ بجٹ معاشی پالیسی کے ایک خاص dimension کو ظاہر کرتا ہے لیکن دوسری طرف بجٹ کسی بھی حکومت کی ساری معاشی پالیسیوں، ملک کے تمام معاشی حالات حتیٰ کہ سیاسی حالات ان سب کا ادراک دیتا ہے۔ دیکھیے! بجٹ کا کام پالیسیوں کے لیے وسائل فراہم کرنا ہے، وسائل حاصل کرنا ہے اور کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا جب تک یہ وسائل موجود نہ ہوں۔ اس لیے بجٹ ایک key document ہوتا ہے اور بجٹ ایک طرح کا تمام پالیسیوں کا summary document ہے۔

جناب چیئرمین ! دوسری بات جو اس سے زیادہ serious ہے، میں ان جیسے professional economist سے یہ توقع رکھتا تھا کہ جو بات وہ اپنی تقریر میں کہہ رہے ہیں، بجٹ کے documents اس کی گواہی دیں اور شہادت دیں لیکن مجھے ان دونوں میں بڑا فرق نظر آرہا ہے اور یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے بڑے اچھے انداز میں یہ بات کہی کہ حکومت کو austerity کی ضرورت ہے اور اس کے لیے non-salaried expenditure کو ہم freeze کر رہے ہیں لیکن آپ بجٹ document دیکھیں تو یہ freeze کہیں نظر نہیں آتی۔ اس کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ جس چیز کو وہ freeze کر رہے ہیں، جو budgetary expenditure ہے اس میں non-salaried کو اس مقام پر منجمد کر دیا جاتا جو 2009-2010 کا final revised estimate ہے لیکن یہاں وہ نظر نہیں آتا، technically یہ بہت بڑا سقم ہے۔

میں ایک اور مثال دوں، انہوں نے اعلان کیا ہے کہ ہم ۵۰ فیصد basic salary میں اضافہ کریں گے، میں اس پر رائے الگ ظاہر کروں گا لیکن اس اعلان کا تقاضا یہ تھا کہ بجٹ میں اس کو ظاہر کیا جائے اس لیے کہ کم ازکم اس کی بنا پر یہ ساٹھ، ستر ارب مرکزی بجٹ میں اور پھر صوبوں میں دکھائی دیتے لیکن بجٹ document میں ہمیں یہ کہیں نظر نہیں آتے۔ اصل بجٹ document اور پالیسی کی تقریر جو بجٹ statement ہے ان میں مطابقت نہ ہو تو technically یہ ایک بہت بڑا سقم ہے۔

ایک تیسرا سقم جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کروں گا وہ یہ ہے کہ یہ بجٹ اٹھارھویں ترمیم کے بعد پہلا بجٹ ہے اور اٹھارھویں ترمیم میں جناب چیئرمین! اس قوم نے ایک بہت بڑا اقدام provincial autonomy کا، Concurrent List کو ختم کرنے کا اور صوبوں کی طرف وسائل کو منتقل کرنے کا اٹھایا ہے، بلاشبہ اس کے لیے ہم نے ایک سال کی مدت رکھی ہے لیکن جناب چیئرمین! اس بجٹ کو اس بات کا عکاس ہونا چاہیے تھا کہ کس طریقے سے اس ترمیم کے نتیجے کے طور پر جو مرکز کے بجٹ میں تبدیلیاں آنی چاہییں، مثال کے طور پر کم ازکم اکیس ایسی Divisions ہیں جو اب صوبوں کو transfer ہو گئی ہیں لیکن ان وزارتوں کے بارے میں اسی طرح کا بجٹ ہے، اس کے نتیجے کے طور پر جو سرکاری ادارے ہیں public bodies, authorities ساڑھے پانچ سو میں سے ایک سو پچیس ایسی ہیں جنہیں صوبوں کی طرف منتقل ہونا ہے، ان کا بجٹ صوبوں میں جانا چاہیے اور کوئی نہ کوئی road map اس کے اندر آنا چاہیے تھا، تقریباً اڑھائی لاکھ سرکاری ملازمین ایسے ہوں گے جو مرکز میں redundant ہو جائیں گے اور ان کو صوبوں کی طرف جانا چاہیے لیکن ان تینوں critical issues پر بجٹ خاموش ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ بجٹ سازی کوئی اور کر رہا تھا، پارلیمنٹ قانون سازی کر رہی تھی، وزیر خزانہ نہ معلوم اس وقت کہاں تھے؟ بالآخر اس طرح بجٹ کا اعلان کر دیا گیا لیکن بجٹ ان تمام چیزوں کا آئینہ نہیں ہے۔ اس کے اندر بہت بڑے technical سقم ہیں جو شیخ صاحب جیسے professional economist سے میں expect نہیں کرتا۔

جناب والا! اس کے بعد میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ماضی کی حکومت اور ماضی کے مسائل کو بیان کرنا اور کیڑے نکالنا وہ اپنی جگہ پر ہوتے ہیں۔ اس ایوان میں آپ کو معلوم ہے کہ میں خود اس زمانے کی معاشی پالیسیوں پر تنقید کر رہا تھا جب حکمران ان کو support کر رہے تھے لیکن اب آپ کو تقریباً اڑھائی سال مل گئے ہیں۔ یہ mid term ہے، صرف اڑھائی سال آپ کے بچے ہیں، جو صورتحال معیشت کی آج ہے اس کی ذمہ داری آپ کی حکومت پر ہے اور اسے آپ کو face کرنا چاہیے لیکن مجھے اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کہ وہ ماضی کی کہانیاں ہمیں سنا رہے ہیں جبکہ اڑھائی سال جو آپ کی حکمرانی کا دور ہے اس میں ہم کہاں پہنچے ہیں؟ اس کو سمجھنا چاہیے اور اس پہلو سے مجھے سب سے زیادہ پریشانی یہ ہے کہ ان اڑھائی سال میں، میں اپوزیشن کی بنا پر نہیں کہہ رہا ہوں، تھوڑی بہت Economist کی حیثیت سے جو میری نگاہ ہے اس کی بنا پر میں یہ بات عرض کروں گا کہ میں نے اتنی disjointed and cross purposes economic policy

پاکستان کی تاریخ میں نہیں دیکھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وزیر اور ہر شعبہ اپنی بات چلا رہا ہے۔ کوئی comprehensive, integrated مربوط پالیسی موجود نہیں ہے۔

ایڈہاک ازم ہمیشہ رہا ہے لیکن ایڈہاک ازم کی contradictory شکلیں جو آج مجھے نظر آ رہی ہیں یہ بڑی پریشان کن ہیں۔ اسی طریقے سے میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں جناب والا! کہ جس تیزی سے یہاں وزارت خزانہ میں تبدیلی آئی ہے۔ تبدیلی کے لئے ہم انکار نہیں کرتے لیکن تسلسل بھی بہت ضروری ہے۔ آپ نے سوا دو سال میں چار وزیر خزانہ تبدیل کر دیے ہیں۔ ہر وزیر کے ساتھ سیکرٹری بھی بدلتا ہے۔ پوری ٹیم بدلتی ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ Consistency کیسے آئے گی؟ کس طریقے سے آپ ان مسائل کو face کریں گے؟ اس اصولی بات کے بعد جناب والا! میں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ وزیر خزانہ نے دعویٰ کیا ہے کہ economic recovery آپ کر رہے ہیں۔ اب ہم اس کو sustain کر رہے ہیں۔ ایس ایم ظفر صاحب نے بھی آپ کی توجہ دلائی ہے۔ اگر آپ economic survey کو پڑھیں تو اس میں اس سے بھی زیادہ grave صورتحال سامنے آئے گی۔ میرے پاس 25 quotations موجود ہیں جس میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ یہ unstable ہے، sustainable نہیں ہے fragile ہے۔ اصل issue یہ ہے کہ آپ recovery, growth کی طرف آ ہی نہیں سکتے۔ یہ کہنا کہ ہم اسے sustain کریں گے، یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ اس کو support نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں quickly آپ کو یہ بتاؤں کہ اس سروے میں پاکستان کی اکانومی کا جو independent تجزیہ کیا ہے۔ آج اکانومی ہر شخص کے سامنے ہے۔ جناب چیئرمین! غربت میں اضافہ ہوا ہے۔ محتاط ترین اندازے کے مطابق 40% of the population living below the poverty line اور اگر دو ڈالر آمدنی اس کی بنیاد بنائیں جو یومیہ 160 روپے بنتے ہیں تو 76% آبادی غربت کی شکار ہے۔ نظر یہ آ رہا ہے کہ 20% کے پاس ساری دولت ہے اور وہ عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں جس سے معاشرے کے اندر تصادم، نفرت، تناؤ اور extremism پیدا ہو رہا ہے۔ اکثریت suffer کر رہی ہے۔ ابھی جو سروے پاکستان کے حالات پر ہوا ہے۔ اس میں food insecurity ہے۔ اس وقت 58.6% ہماری آبادی جو ہے وہ food insecurity کا شکار ہے اور یہ جو آپ کی districts ہیں ان میں سے 61% districts وہ ہیں کہ جہاں food insecurity کا مسئلہ ہے۔ جس ملک میں یہ صورتحال ہو، حقیقت یہ ہے کہ حکمرانوں کی نیند اڑ جانی چاہیے۔ پارلیمنٹ کے ارکان کی نیند اڑ جانی چاہیے کہ ہم کہاں

جا رہے ہیں لیکن ان پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جناب والا! پاکستان کی 63 سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ ہوا ہے کہ 2009 اور 2010 کے درمیان صرف ایک سال میں ملک میں wheat کا consumption 10% کم ہوا ہے یعنی لوگوں کو روٹی میّسر نہیں۔ اس سروے کے اندر ایک بڑی تعداد وہ ہے کہ جو ایک وقت کی روٹی مشکل سے کھاتے ہیں۔ اس صورتحال کو نظر انداز کرنا میں سمجھتا ہوں کہ بڑی زیادتی ہے۔

پھر آپ دیکھیں کہ ترقیاتی پروگرام۔ سب سے زیادہ cut ترقیاتی پروگرام پر لگا ہے۔ 60% ترقیاتی پروگرام نیچے لایا گیا ہے اور جو ہوا ہے وہ بھی ratio کے اعتبار سے نہ ہونے کے برابر ہے۔

مہنگائی کی صورتحال یہ ہے کہ 2009 میں مہنگائی کم ہوئی تھی۔ جو بھی اعداد و شمار ہمارے ہیں ان میں annual 8.9% مہنگائی تھی لیکن آج یہ مہنگائی 13.5% ہے۔ اگر آپ سود کو لیں تو 15.5% ہے اور حال ہی میں جو IMF کی ایک رپورٹ آئی ہے پاکستان پر، اس میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ average purchasing power پاکستان کے شہریوں کی اس زمانے میں 23% کم ہوئی ہے۔ جناب والا! یہ بڑا serious صورتحال ہے۔

انرجی کو آپ دیکھ لیں۔ انرجی کے بحران کی کیفیت یہ ہے کہ جو تکلیفیں ہوتی ہیں وہ اپنی جگہ ہیں لیکن output production جس طریقے سے نیچے گیا ہے وہ 2% of the GDP جو سروے نے کہا ہے کہ یہ صرف انرجی کی بنا پر ہے۔ 1332 انڈسٹریل یونٹس ان دو سالوں کے اندر بند ہوئے ہیں۔ بے روزگاری کو آپ دیکھ لیں۔ اعتراف کیا گیا ہے کہ تھوڑی سی بڑھی ہے لیکن جناب والا! یہ بہت ہی deceptive چیز ہے اس لئے میں یہ چاہوں گا کہ ذرا اس issue پر آپ کو تھوڑے سے اعداد و شمار دیکھ کر حقائق بتاؤں جو سب سروے میں موجود ہیں۔ اس وقت پاکستان میں 49 million labour force ہے اور تین ملین وہ کہتے ہیں کہ بے روزگار ہے یہ اضافہ ہوا ہے پچھلے دو سال کے اندر۔ یہ اندازہ بہت کم ہے لیکن جو چیز میں آپ کے علم میں لایا ہوں جناب چیئرمین! وہ اتنی عجیب و غریب ہے کہ جو پچاس ملین لوگ برسر روزگار ہیں ان میں 14.45 million unpaid لوگ کام کر رہے ہیں۔ اس کے بارے میں ہے کہ یہ روزگار کی تلاش میں ہیں اور یہ کام بھی کر رہے ہیں لیکن ان کو کوئی payment نہیں کی جاتی۔ یہ لوگ employed نہیں ہیں یہ unemployed ہیں۔ اگر ہم ان کو شامل کر دیں تو جناب والا! یہ 17.37 million افراد بے روزگار ہیں۔ اس میں 38% وہ ہیں جو

10 سے 25 سال عمر کے درمیان ہیں۔ اسی وجہ سے نوجوانوں میں انتہا پسندی اور militancy میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ وہ حالات ہیں جن کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے۔ پبلک سیکٹر کی بات بار بار آئی ہے۔ 260 ارب روپے کا خسارہ ہے۔ صرف ان چھ بڑے بڑے آپ کے اداروں نے کیا ہے۔ یہ سارا کیوں ہوا ہے؟ اس لئے کہ ان کو professionally میرٹ کی بنیاد پر چلانے کی بجائے اپنے cronies پر لگائے گئے ہیں جنہوں نے دو سال کے اندر ان اداروں کو تباہ کر دیا ہے اور اب privatization کی بات کی جا رہی ہے۔ میں آپ کی اجازت سے یہ بات یہاں کہنا چاہتا ہوں۔ اس ایوان میں بھی کل یہ باتیں کہی گئی ہیں۔ میں خود اس کا قائل ہوں کہ free market private enterprise معیشت کے لئے بے حد ضروری ہے لیکن یہ کہنا کہ حکومت کا کوئی تعلق نہیں ہے معیشت سے یہ ایک cliche ہے، حقیقت نہیں ہے۔آج دنیا میں جو بحران ہے، امریکہ اور یورپ شدید معاشی بحران میں ہیں۔ کیوں؟ private enterprises نے، بینکوں نے، investment houses نے اتنا exploit کیا جس کے نتیجے کے طور پر صرف دو سال میں 9 trillion dollars سے زیادہ کا نقصان ہوا ہے اور تقریباً 3 trillion dollars اس وقت وہاں پر وہ خرچ کر چکی ہیں صرف اکانومی کو سنبھالنے کے لیے۔ ہر جگہ گورنمنٹ کا ضرور role ہے۔ اس لئے گورنمنٹ کے role کو مثبت انداز میں ہونا چاہیے۔ یہ مارکیٹ fundamentalism ہے اس میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مارکیٹ ضرور ہونی چاہیے لیکن مارکیٹ کے ساتھ ساتھ قومی مقاصد، strategic ضروریات اس کے لئے حکومت نے مثبت role play کرنا ہے۔ اس لئے ہمارا ماڈل public private partnership کا ہونا چاہیے نہ nationalization کا اور نہ total market economy جو کسی کے قابو میں نہ آئے۔ یہ آج تک نہیں ہو رہا ہے۔ سب سے اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر کام کیا جائے۔

جناب والا! بیرونی قرضوں کا ذکر ہوا ہے اور یہ چار ہزار ارب نہیں بلکہ جو ہمارا actual قرضہ ہے domestic and internal یہ تقریباً 9000 ارب ہے جس میں سے 55 billion dollar foreign exchange میں ہے۔ آپ تقریباً ساڑھے چھ سات ارب ڈالر سالانہ debt servicing کے لیے دے رہے ہیں، ساڑھے چھ سات ارب روپے قرض لیتے ہیں تاکہ قرضے ادا کریں۔

جناب والا! وزیر خزانہ نے self-reliance کی بات کی ہے لیکن اس بجٹ میں کوئی اشارہ نہیں ملتا، کوئی اشارہ economic survey میں نہیں ملتا کہ ہم کس طرح self-reliance کی طرف جائیں گے، کس طرح اس ذلت سے نکلیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک اپنی economic sovereignty

تو کھو چکا ہے، سیاسی sovereignty بھی کھو رہا ہے۔ اس لیے میں warn کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بڑا ہی اہم مسئلہ ہے۔ دہشت گردی کی جنگ پر ظفر صاحب نے بھی کہا ہے اور میں بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ جنگ ہمیں اتنی مہنگی پڑ رہی ہے کہ اس کی صحیح calculation بھی ممکن نہیں۔ امریکہ نے ہمیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے لیکن آج حکومت وہی پالیسی، اس سے زیادہ بڑے انداز میں follow کر رہی ہے جو مشرف نے شروع کی تھی۔ Survey میں جو تازہ ترین اعداد و شمار دیئے گئے ہیں اس کی رو سے 43 billion dollar economic loss قرار دیا گیا ہے۔ باہر والوں سے آپ کو پندرہ بلین ملے ہیں جس میں سے نو بلین سروس چارجز ہیں حقیقتاً آپ کو چھ بلین ملا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ 37 billion, سرکاری اعداد و شمار کی روشنی میں اس غریب قوم نے امریکہ کی ہوس کے لیے، جس کا نشانہ بھی مسلمان ہیں، جس میں مسلمان ملکوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے ہم نے finance کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے جان کی قربانی بھی دی ہے۔ 1300 فوجی شہید ہوئے، ساڑھے تین ہزار سویلین شہید ہوئے، تین ہزار فوجی زخمی ہیں، بارہ ہزار عام شہری زخمی ہوئے، یہ کیا کام کر رہے ہیں؟ ابھی ہم اس کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ شمالی وزیرستان میں جاؤ، پنجاب میں آؤ، کراچی پر حملہ کرو، کوئٹہ پر حملہ کرو، ہم کہاں جا رہے ہیں؟ جناب والا! ہمیں آنکھیں کھول کر پاکستان کے مفاد میں، independent policy, political and economic اپنانی چاہیے۔ پارلیمنٹ نے اسی طرف اپنے 22 اکتوبر 2008 کی قرارداد میں صاف ہدایت دی تھی، اس پر کوئی عمل نہیں ہو رہا، یہ صورت حال ہے۔

جناب والا! اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں خوش فہمی یہ ہے، ہم وہی کاسہ گدائی لے کر پھر رہے ہیں کہ کیری لوگر بل اور Friends of Pakistan, سے آپ نے ایک سو بلین ڈالر مانگ کر آغاز کیا تھا، آخری آپ سے جو وعدہ تھا وہ پانچ ملین کا تھا تین سال میں، لیکن جو آپ کو ملا ہے وہ شاید 370 or 360 ملین ہے۔ ہم نے غلطی یہ کی کہ پچھلے سال کے بجٹ میں دو بلین اس کے لیے provide کر لیا اور نئے بجٹ میں بھی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جہاں آپ سات سو ارب روپے کے خسارے کا بجٹ پیش کر رہے ہیں وہاں آپ نے کہیں یہ نہیں بتایا کہ اس کو کیسے پورا کیا جائے گا؟ کہاں سے لائیں گے؟ Internal کتنا ہوگا، external کتنا ہوگا؟ اس بجٹ کے ساتھ یہ بڑے ہی serious problems ہیں۔

جناب والا! میں آپ سے یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں financial indiscipline کا امکان ہے اس موقع پر۔ پاکستان کی تاریخ میں supplementary grants آئیں، وہ مجھے بھی پتا ہے لیکن

ساڑھے تین سو ارب آپ کے طے شدہ بجٹ سے زیادہ خرچ کرنا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ بیس فیصد آپ نے زیادہ خرچ کیا ہے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے میں نے پوری فہرست بنائی ہے اس کو پڑھ کر مجھے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ اس میں لاکھوں نہیں، اربوں روپے ہم نے advertisement کے لیے دیئے ہیں جس کا کوئی provision نہیں تھا۔ اس میں ہم نے VVIP کلچر کے لیے، اپنے مکانات کی تعمیر کے لیے اربوں روپے خرچ کئے ہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس لیے میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ پارلیمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ پابندی لگا دے کہ بجٹ سے کوئی deviation نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ Ministry concerned, Cabinet کی منظوری سے re-appropriation within the budget کر سکتی ہے لیکن اگر کوئی بھی departure ہونا ہے تو وہ صرف ایمرجنسی کی صورت میں، خدا نہ کرے کہ کوئی emergency ہو لیکن اگر ہوتی ہے تو اس کا راستہ یہی ہے کہ فوری طور پر پارلیمنٹ کو اعتماد میں لے کر supplementary budget لایا جائے۔ Midterm review ہو، midterm کی روشنی میں دیکھ لیں کہ آگے کہاں deviation ہونا ہے اور جب تک Parliament approve نہ کرے کسی بھی Ministry کو ایک پیسہ بھی بجٹ سے زیادہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

جناب والا! میں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ conceptually بھی ہمارا سارا emphasis IMF کے احکام کے تحت macro stabilization پر ہے۔ macro stabilization ضروری ہے میں اس کے حق میں ہوں لیکن صرف macro stabilization سے ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے اور macro stabilization, growth strategy کی ضد ہے۔ ہمارے ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس terminology سے نکلیں اور جب تک ہمارا rate of growth نہ بڑھے اس وقت تک آپ نہ حقیقی macro stabilization لا سکتے ہیں اور نہ آپ غربت کو دور کر سکتے ہیں، نہ آپ دولت کی تقسیم کو بہتر بنا سکتے ہیں اس لیے میری نگاہ میں growth oriented, pro-poor employment generated جب تک یہ strategy نہیں ہوگی اور اس کے لیے ایک paradigm shift کی ضرورت ہے۔ میں آپ سے عرض کروں کہ ہمارے ساتھ یہ بھی ظلم کیا گیا اور چونکہ اس بات کو میرے پیش رو نے پیش کیا ہے میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا لیکن growth 4.1% کی جو ہمیں خوشخبری سنائی گئی ہے یہ کاغذی ہے اور یہ دھوکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ 4.1 وضع کرنے کے لیے سب سے پہلے 08-2007 کی شرح ترقی کو کم کیا گیا ہے اسے 4.1 سے پہلے 3.7 کہا گیا پھر 3.2 کیا گیا۔ گویا کہ اس میں 0.8 کی کمی کر دی گئی۔ پھر 09-2008 کے figures کو بھی تبدیل کیا گیا ان کو 2 کی

بجائے 1.2 پر لے جایا گیا جسے 3% ہونا تھا اسے 4.1% قرار دیا گیا جبکہ حقیقت میں تین بھی نہیں ہے۔ یہاں میں آپ کی توجہ دلاؤں گا اور میں نے اس کے لیے تھوڑی محنت بھی کی ہے۔ یہ دیکھیے میرے پاس سارے documents موجود ہیں۔ پاکستان نے IMF کو official memorandum دیئے ہیں، ان میں سے آخری میرے پاس ہے جو تین مئی کا ہے۔ 3 مئی کو وزیر خزانہ شیخ صاحب کے دستخط سے گیا ہے اس میں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے، میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں: "Real GDP is projected to increase by 3%." Country report جو IMF نے دی ہے اور یہ جون 2010 یعنی چند دن پہلے، اس میں IMF کی report کہہ رہی ہے کہ؛ "the real GDP growth is likely to be 3% in 2009–10". یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا ہے کہ تین فیصد سے بڑھ کر 4.1 پر آگئے ہیں۔ حالانکہ اس زمانے میں energy crisis ہوا ہے جس کے نتیجے کے طور پر 2% GDP loss ہوا ہے۔ اس زمانے میں 0.6% domestic capital formation کم ہوا ہے۔ اس زمانے میں 3.5% private investment کم ہوئی ہے۔ اس زمانے میں foreign direct investment 46% کم ہوئی ہے۔ یہ سارے حقائق ہیں اس کے بعد یہ کہنا کہ ہم نے 4.1% growth حاصل کر لی ہے، یہ ایک دھوکا ہے۔ جب تک ہم حقائق کو face نہیں کریں گے اور اس کو تبدیل نہ کریں اس دلدل سے نہیں نکل سکتے۔

جناب والا! میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ تعلیم، صحت، Research and Development and Human Resource Development یہ چار critical areas ہیں ان میں ہمارا بجٹ، ہمارا PSDP totally ناکام ہے۔ ہر ایک میں ہم پیچھے جا رہے ہیں۔ جب تک آپ اس کے لیے وسائل فراہم نہیں کریں گے اس وقت تک آپ معاشی ترقی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہاں پر میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ inflation ہمارے ملک میں ایک خاص نوعیت کا ہے۔ اس کو ہم demand inflation and cost push inflation دونوں کا مجموعہ کہتے ہیں۔ Demand inflation کی وجہ آپ کی economy کی inequalities ہیں اس کی وجہ سے بیس فیصد طبقہ جس کے پاس دولت ہے، اس کا demand کیا ہے۔ جو آپ کے foreign remittances ہیں وہ ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔ Balance of payment کو اس سے support مل رہی ہے لیکن سات سے آٹھ بلین ڈالر جو آ رہا ہے یہ demand پیدا کرتا ہے۔ جس کے لیے ہماری پیداوار نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ energy کی بنیاد پر inputs کی قیمتوں کے بڑھنے کی وجہ سے، آپ کو معلوم ہے

کہ agriculture کی جو چھوٹی فصلیں اور بڑی فصلیں ہیں دونوں میں آپ پیچھے رہ گئے ہیں، livestock کی وجہ سے agriculture بہتر ہوا ہے تو اس کی وجہ negative رہا ہے یا 0.2% hardly ہے۔ اگر agriculture بہتر ہوا ہے تو اس کی وجہ livestock ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ cost push and demand pull دونوں وجوہات ہیں۔ اب یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک آپ کی growth strategy نہ ہو اور growth strategy کے لیے ضروری ہے کہ آپ کا rate of investment بڑھے، savings بڑھیں اور اس کے لیے شرح سود جس پر آپ کا نظام قرضہ دے رہا ہے وہ سٹیٹ بنک کا 12.5% ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر مارکیٹ میں پندرہ سے اٹھارہ فیصد بنتا ہے۔ آپ مجھے موقع دیں، میں سٹیٹ بینک کی تازہ ترین رپورٹ آپ کو بتاؤں۔ آپ کے ہاں ریٹ 12.5% ہے لیکن دنیا کا حال یہ ہے کہ امریکہ میں 0.25 برطانیہ میں 0.50, Euro zone میں ایک فیصد، جاپان میں 0.1%, کینیڈا میں 0.23%, آسٹریلیا میں 4.5% چائنا میں 5.3% اور اگر آپ اپنے ریجن کو دیکھیں تو انڈیا میں 5.25, کوریا میں 2%, ملائیشیا میں 2.2%, انڈونیشیا میں 6.5%, فلپائن میں 4%, تھائی لینڈ میں 1.2%, نیوزی لینڈ میں 2.5% اور ہمارے ہاں 12.5% ہے اور 12.5 plus 4 to 5% ہے۔ جب تک آپ investment کو cheap نہیں بنائیں گے، اس کے لیے incentive نہیں دیں گے، آپ نے R&D بھی withdraw کر لیا ہے۔ آپ نے subsidies بھی withdraw کر لی ہیں تو growth کیسے ہو گی۔ یہ بہت ہی بنیادی چیزیں ہیں جناب چیئرمین! جنہیں کرنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جس طرح ہم VAT کو لائے، یہ ایک scandal ہے، اگر آپ یہ document پڑھیں جناب چیئرمین! March 2009 میں آپ نے commit کیا تھا کہ ہم لازماً لا رہے ہیں اور یکم جولائی 2010 سے ہم لے آئیں گے لیکن مارچ 2009 میں یہ وعدہ کرنے کے بعد آج تک آپ نے نہ قوم کو تیار کیا نہ آپ کا tax collection کا نظام اس کے لیے ہے، نہ آپ کے صوبے اس کے لیے تیار ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ VAT ایک regressive tax ہے۔ آپ کے ہاں اس وقت indirect taxes 62% ہیں، صرف direct taxes 38% ہیں اور ان direct taxes کو بھی آپ نے withholding tax کے نام پر آدھا indirect بنا دیا ہے۔ جب تک آپ اس کو بدلیں گے نہیں یہ نظام ٹھیک نہیں ہو گا۔ اسی طرح آپ نے اس بجٹ میں ایک فیصد sales tax بڑھا دیا ہے۔ پچھلے سال بھی ایک فیصد بڑھایا تھا۔ گویا آپ کے آنے کے بعد GST 2% بڑھا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ 80% آبادی جو عام آدمی پر مشتمل ہے، جن کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہے،

وہ اس کو pay کر رہی ہے اور امراء کا کیا حال ہے، آپ کے کان بھی کھڑے ہو جائیں گے جناب چیئرمین! جب آپ یہ سنیں گے اور یہ بات officially کہی گئی ہے کہ صرف import کے میدان میں under invoicing or lack of reporting کی بنا پر tax evasion and duty evasion ہو رہی ہے جو 100 سے 300 billion rupees annually ہے۔ یہ ایک چیز ہے۔

جو corruption ہے، سارے اندازے یہ ہیں کہ 200 سے 250 ارب صرف FBR کی corruption ہے۔ جو tax evasion ملک میں ہو رہی ہے، اس کے بارے میں صحیح اندازہ یہ ہے کہ 600 to 700 billion tax evasion ہے۔ یعنی آپ باہر سے جو قرضے لا رہے ہیں، اگر آپ ان resources کو ٹھیک ٹھیک mobilize کریں، اگر آپ corruption کو قابو کریں، میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ COD میں ایک بڑا اہم پہلو یہ تھا کہ independent, transparent judicial inquiry across the board ہونی چاہیے۔ اڑھائی سال ہو گئے ہیں لیکن اس سلسلے میں آپ نے وہ قانون pass نہیں کیا۔ جب بھی کمیٹیوں میں وہ قانون جاتا ہے، مفاد پرست عناصر اپنے لیے اس کو بنا دیتے ہیں اور اس پر اتفاق رائے نہیں ہو پا رہا ہے، اس لیے کہ ہم corruption کو protection دے رہے ہیں، ہم corruption کو روکنا نہیں چاہ رہے ہیں۔ World Bank کی report یہ کہتی ہے کہ پاکستان میں پچھلے دس سالوں میں corruption 400% بڑھی ہے اور Transparency International کی report یہ ہے کہ صرف پچھلے ایک سال میں 100% بڑھی ہے۔ صرف bribery 250 billion rupees ہوئی ہے، جو لوگوں کا perception ہے۔ جناب چیئرمین! ان سارے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، میں سمجھتا ہوں کہ جب تک ان real issues کو address نہیں کیا جاتا، آپ اس دلدل سے نہیں نکل سکتے۔

دور دور تک Good governance نظر نہیں آ رہی ہے۔ Financial Discipline کا کہیں وجود نہیں ہے۔ Corruption ہر جگہ چھائی ہوئی ہے۔ Delivery system مرکز ہو یا صوبے ہوں، ہر جگہ fail ہو چکا ہے۔ There is Inflation, unemployment and economic sovereignty of the country سب کچھ داؤ پر لگ چکا ہے۔ ان حالات میں میری نگاہ میں یہ بجٹ مایوس کن ہے۔

آخر میں، میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے جو چند تجاویز دی ہیں میں ان کے بارے میں صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں؛ نمبر ایک، جو آپ نے minimum wage Rs.6000/- سے بڑھا

کر Rs.7,000/- کی ہے، یہ ناانصافی ہے۔ ایک طرف آپ تمام Grade 01 سے Grade 22 کے سرکاری ملازمین کی salaries میں 50% کا اضافہ کرتے ہیں لیکن جو minimum wage ہے اسے آپ 50% نہیں بڑھاتے۔ کیوں؟ اگر آپ کی نگاہ میں 50% compensation ضروری ہے تو سب سے زیادہ مستحق تو یہ طبقہ ہے جو سب سے lower طبقہ ہے۔ اس لیے اس کو سات ہزار روپے نہیں بلکہ اسے کم از کم Rs.9,000/- ہونا چاہیے۔

دوسری چیز، آپ نے across the board 50% دیا ہے، میری نگاہ میں جو معاشی ناہمواریاں ہمارے ملک میں ہیں، اس میں اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ Grade 1 سے grade 16 تک آپ کو زیادہ دینا چاہیے۔ یا آپ ایسا کریں کہ ان کو 60% دیں اور grade 17 and above کو 40% دیں اور اگر آپ اس کو ٹھیک نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ market کی situation ایسی ہے کہ grade 17 سے grade 22 تک بھی 50% دینا ضروری ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ grade 1 to 16 کو بڑھائیں اور اسے کم از کم 60% یا 65% کریں۔

اسی طریقے سے جو آپ نے 5% gas surcharge لگایا ہے، اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ 1% جو آپ نے GST بڑھایا ہے، اس کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ اس کا withdraw ہونا ضروری ہے۔ اس کے برعکس وزیراعظم صاحب نے یہ claim کیا تھا کہ PM Secretariat کا خرچہ 40 فیصد کم کیا جائے۔ جو documents ہمارے سامنے آئے ہیں ان میں یہ خرچہ 40 فیصد کم ہونے کی بجائے 20 فیصد بڑھ گیا ہے اور اگلے سال کے لیے 14 فیصد اور بڑھایا جائے گا۔ اس لیے میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ President House, Prime Minister Secretariat, Parliament کے ارکان، Senate and National Assembly, ان سب میں non-salaried 10% to 20% cut لگانا چاہیے۔ جب تک ہمارے پیٹ پر ضرب نہیں لگے گی اور ہمیں یہ اندازہ نہیں ہوگا کہ ہمارے پاس کم آرہا ہے، ہم عام آدمی کی مشکلات کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ اس لیے یہ مثال قائم کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔

ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں جناب والا! کہ یہ conspicuous consumption ہے، خاص طور پر دعوتیں، اصراف، روشنی، بیرونی دورے۔ اگر آپ صرف foreign tours کو دیکھیں، ابھی وزیراعظم صاحب 70 افراد لے کر Brussels گئے ہیں۔ کروڑوں روپے اس پر خرچ ہوئے ہیں۔ آپ supplementary grant دیکھیے، چھ، سات جگہوں پر صرف ان دوروں کی بنا

پر نئی demand کی گئی۔ پابندی ہونی چاہیے کہ پانچ افراد normally اور غیر معمولی حالات میں زیادہ سے زیادہ 10 افراد جائیں گے کسی بھی دورے پر۔ جب تک آپ یہ چیزیں نہیں کریں گے، مثال قائم نہیں کریں گے نیچے تک لوگ فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں جناب والا! کہ بینکوں پر، insurance companies پر جنہوں نے بہت profit کمایا ہے، ان کا rate of interest بڑھنا چاہیے، rate of taxes بڑھنا چاہیے۔ سینیٹ بار بار اس کی طرف متوجہ کرتا رہا ہے کہ financial sector پر کم از کم 42% corporate tax ہونا چاہیے۔ اسی طریقے سے جو telecommunication کا sector ہے، یہ ضروری ہے کہ آپ وہاں سے resources کو حاصل کریں اور دولت کی غیر مساویانہ تقسیم جو روز بروز بڑھ رہی ہے اور society میں جو clash پیدا ہو رہا ہے اس کو address کیجیے اور آخر میں جناب والا! میں آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ بات کہوں گا کہ جن objectives کو وزیر خزانہ نے اپنی تقریر کے آغاز میں کہا ہے، جن میں self-reliance, inflation کو control کرنا، rate of growth کو بڑھانا مرکزی اہمیت کے حامل ہیں۔ جب تک دعوے یا جو خواب انہوں نے دکھائے ہیں، ہماری planning ہمارے وسائل کا استعمال، ہمارا بجٹ جب تک اس مقصد کو serve کرنے کے لیے recast نہیں کیا جائے گا ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بجٹ اس پہلو سے بہت ہی ناکام ہے۔ Technically بہت ہی خام ہے جو آپ نے دعوے کیے ہیں، جو targets سامنے رکھے ہیں وہ اس میں reflect نہیں ہوتے ہیں اس لیے اس کو drastically review کرنے کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ہم موجودہ حالات میں سیاسی اور معاشی دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ بہت بہت، Finance Department کے budget related officers اوپر بیٹھے ہوئے notes لے رہے ہیں اور Minister of State بھی اب آ گئی ہیں۔ جی

سینیٹر کلثوم پروین: مجھے ایک منٹ بات کرنے دیں۔ میں مختصر سی بات کروں گی کیونکہ بہت ساری speeches کے بعد ماحول کافی سنجیدہ ہے تو میرے خیال میں تھوڑی سی changing بھی ہونی چاہیے۔ جناب! میں فردوسی کی طرح کوئی شاعرہ نہیں ہوں کہ شاہ نامہ آپ

کی خدمت میں پیش کروں مگر میں آپ سے اتنی بات ضرور کروں گی کہ جب آپ وہاں بیٹھے ہیں، آپ وعدہ کریں اور اس کو نہ نبھائیں تو پھر میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آپ نے اس chair پر بیٹھ کر وعدہ کیا تھا کہ پرائم منسٹر یوسف رضا گیلانی سینیٹرز سے ملاقات کا ایک دن رکھیں گے وہ وعدہ بھی پورا نہیں ہوا۔ جناب! آپ نے کہا تھا کہ گوادر سے متعلق Tuesday کو رپورٹ پیش کی جائے گی مگر بابر غوری اپنا بیان دے کر چلے گئے ہیں۔ ٹھیک ہے بابر غوری نے امداد بھیجی ہے ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ حکومتِ بلوچستان جو کچھ possible ہے، کر رہی ہے۔ Government of Pakistan بھی جو کر رہی ہے، وہ بھی بہت اچھا ہے۔ فوج بھی کر رہی ہے۔ سب کا اپنا اپنا کردار ہے۔ مگر رات تک جو رپورٹ ہے اس کے مطابق اتنی زیادہ تباہی ہوئی ہے شاید اس سے پہلے گوادر میں کبھی ایسی تباہی نہیں آئی ہے۔ گوادر کا Mega Project جو دنیا کے لیے بڑا attractive تھا، آج وہی گوادر بے سروسامانی کی حالت میں ہے۔ حتیٰ کہ مچھیروں کی کشتیاں تک گم گئی ہیں، ضائع ہو گئی ہیں، آج وہ لوگ جو ان کشتیوں پر جا کر اپنی روزی کماتے تھے، وہ اس سے معذور ہو گئے ہیں۔ جناب! میری کل بلوچستان کے چیف سیکرٹری لہڑی صاحب سے بات ہوئی، luckily ہمارا چیف سیکرٹری بہت ایمان دار اور نہایت ہی شریف آدمی ہے۔ جناب! انہوں نے کہا کہ ہمیں کچھ نہ دیں، چٹائیاں دے دیں، پانی دے دیں اور خشک خوارک دے دیں۔ فی الحال ہمیں اس کی ضرورت ہے اور جن لوگوں کے روزگار کے ذرائع بالکل ختم ہو گئے ہیں، ناپید ہوگئے ہیں وہ road پر آ گئے ہیں، ان کی مدد کی جائے۔ تو جناب! میں آپ کو یاد دلانا چاہتی ہوں کہ آپ نے کچھ وعدے کیے ہیں، آپ وعدوں کو پورا کریں۔ یہ آپ کا کام ہے۔

جناب چیئرمین: جی، بلیدی صاحب میں ایک منٹ جواب دے دوں۔

سینیٹر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بلیدی: نہیں، اسی سے related ہے۔ چونکہ میرا علاقہ گوادر، تربت، پنجگور ہے تو میں میڈم صاحبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے point اٹھایا ہے اور ہم نے بھی بات کی تھی۔ اب تک وہاں جو امداد دینی تھی، وہ لوگ بالکل مایوس ہیں اور مرکز کی طرف سے کوئی خاص action نہیں لیا گیا ہے اور صوبائی حکومت بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے۔ پانچ کروڑ روپے کا انہوں نے اعلان کیا تھا جبکہ وہاں تخمینہ لگایا جا رہا ہے کہ سات آٹھ ارب روپے کا نقصان ہوا ہے۔ وہاں کے پچاس، ساٹھ دیہات تباہ ہو چکے ہیں۔ ان کے گھر، ان کی چار دیواریاں گر گئی ہیں اور

اس گرمی میں وہاں بجلی نہیں ہے، وہاں پانی کا انتظام نہیں ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس دن جو ruling دی اور نیّر بخاری نے کہا کہ Tuesday کو ہم اس کی تفصیل سینیٹ میں پیش کریں گے۔ جیسا کہ میڈم نے کہا کہ آپ کی ruling پر implementation بہت ضروری ہے۔ آپ سینیٹ کے چیئرمین ہیں اس ہاؤس کے ذمہ دار ہیں اگر۔۔۔۔

(اس مرحلے پر اذان مغرب کی آواز ایوان میں سنائی گئی)

سینیٹر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بلیدی: جناب چیئرمین! میں ختم کرتا ہوں کیونکہ نماز کا بھی وقت ہے تو بہت افسوس ہے کہ اس پر کوئی عمل درآمد نہیں ہوا ہے۔ آپ اس کے لیے کوئی خاص ہدایات جاری کریں اور دو سال پہلے مکران میں جب سیلاب آیا تھا تو مرکزی حکومت کی طرف سے سات ارب روپے کا اعلان کیا گیا تھا اور آج تک ان کو ایک پیسہ بھی نہیں ملا ہے۔ یہ اعلانات بھی کیے جاتے ہیں اور بعد میں ان کو امداد بھی نہیں ملتی ہے اس کو ایسے کیا جائے کہ ان کے لیے پانی بجلی اور ان چیزوں کا صحیح انتظام ہونا چاہیے۔ آخر میں ایک ضروری بات ہے کہ لیاری کا جو مسئلہ ہے وہاں پر راکٹ لانچر سے حملے ہو رہے ہیں اور لیاری کے لوگ گوادر، مکران کا رخ کر رہے ہیں۔ وہاں پر آپس میں دو گروپ لڑ رہے ہیں، آپ بھی ان کا نوٹس لے لیں۔ ایک منصوبے کے تحت کراچی کے حالات کو خراب کیا جا رہا ہے، صوبائی حکومت کو آپ ہدایات جاری کریں۔ ان دو points کی وجہ سے میں ٹوکن واک آوٹ کرتا ہوں۔

(اس مرحلے پر سینیٹر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بلیدی ایوان سے واک آوٹ کر گئے)

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔ سیمیں صاحبہ! نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ ذرا quickly کر لیں۔

سینیٹر سیمیں صدیقی: بالکل جناب! جیسے یہ سیلاب کی صورت حال ہے اور بلوچستان میں جو طوفان آیا ہے اور جو نقصانات ہوئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ میں سندھ کا بھی ذکر کروں گی کہ سندھ میں بدین، ٹھٹھہ، گھارو وغیرہ side پر بڑی تباہی ہوئی ہے اور آپ کے توسط سے میں حکومت سے استدعا کرتی ہوں کہ ان کی طرف بھی توجہ دیں۔ وہ بھی پاکستان کے nationals ہیں ان کو ایسے کیمپوں میں رکھا گیا ہے جہاں پر میڈیکل سہولتیں نہیں ہیں، کھانے پینے کی اشیاء نہیں ہیں، پانی نہیں ہے وہاں پر جلدی امراض پھیل رہی ہیں۔۔۔۔۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔

سینیٹر سیمیں صدیقی: جناب! آپ تھوڑا سا سن لیں آپ سب کو سنتے ہیں۔ سندھ کو بھی تو موقع دیں، بلوچستان والوں کی۔۔۔۔

جناب چیئرمین: پھر نماز کے وقفے کے بعد بات کر لیں۔ میں آپ کو آدھا گھنٹہ سنوں گا۔ نماز کے وقفے کے بعد۔

سینیٹر سیمیں صدیقی: ایک سکینڈ کی بات ہے۔ جناب! لوگوں کو کیمپوں میں رکھا گیا ہے ان کے اطراف میں بارش کا پانی جمع ہے وہ لوگ وہاں محصور ہو گئے ہیں وہاں سے نکل سکتے ہیں نہ کوئی امداد ان تک پہنچتی ہے تو please حکومت سے کہیں کہ اس طرف بھی توجہ دیں، ووٹوں کے لیے تو چلے جاتے ہیں لیکن جب وہ مصیبت اور مشکل میں گھرے ہوئے ہیں تو ان کا کوئی سہارا نہیں ہے اور ان کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: شکریہ، میں نے لیڈر آف دی ہاؤس سے کہا بھی تھا کہ وہ گوادر اور بدین کے بارے میں detail بتائیں۔ آج وہ آ نہیں سکے، کسی فوتگی میں گئے ہوئے ہیں۔ میں نے آتے ہی پوچھا بھی تھا۔ کل انشاء اللہ وہ آئیں گے تو ان کو message کر دیجئے کہ جو بھی issues raise کیے گئے ہیں، ان پر کل وہ detailed جواب دیں۔ بابر غوری صاحب نے کوئی جواب دیا ہے مگر لوگوں کی تسلی نہیں ہوئی ہے۔ انشاء اللہ کل وہ آ کر detailed جواب دیں بدین اور گوادر پر بھی۔ جی لشکری رئیسانی صاحب۔

سینیٹر نوابزادہ حاجی میر لشکری رئیسانی: جناب! Balochistan Provincial Disaster Management Authority کا brief آ گیا ہے۔ ہم اور بھی information اکٹھی کر رہے ہیں۔ اب ایک تو یہ ہے کہ پانچ کروڑ روپے ابتدائی relief کے لیے ہیں۔ یہ لوگوں کو compensate یا سیلاب کا نقصان پورا کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ ایک چھوٹا سا brief ہے وہ ہم نے منگوا لیا ہے۔ گوادر میں شہر کے اندر دو تین فٹ پانی تھا اب اس کو pump کیا جا رہا ہے۔ باقی شہروں میں پانی اور بجلی کا نظام بحال کر دیا گیا ہے۔ Coastal Highway گوادر اور جیوانی کے درمیان سات جگہوں پر ٹوٹی تھی، چار جگہوں پر اس کو بحال کر دیا ہے۔ پسنی اور گوادر کے درمیان چار جگہ پر ٹوٹی تھی دو جگہوں پر کام ہو گیا ہے۔ اب light traffic چلنا شروع ہو گئی ہے۔ آج ہمارے

ایک فیڈرل منسٹر صاحب بھی وہاں پہنچے ہیں، کل چیف منسٹر صاحب بھی پہنچے تھے اور آج لسبیلہ میں پہنچے ہیں تو وہ بتائیں گے کہ کتنا نقصان ہوا ہے اس میں کچھ وقت لگے گا وہ ایک دم نہیں ہو سکتا۔ بہرحال وہاں پر کیمپ بنائے ہیں اور انشاء اللہ کل رپورٹ آئے گی۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ کل detailed report بھی آجائے گی۔ کل Leader of the House ہوں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ کل ہمیں اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

We will continue with the discussion on budget, the House is adjourned to meet again tomorrow at 4.30 p.m.

[The House was then adjourned to meet again on Thursday, 10th June, 2010 at 4.30 p.m.]